سمیعہ عمیر

خاموشی بہت عجیب شے ہے۔ جب اندھیرے جنگلوں میں گونجتی ہے تو دل دہلا دیتی ہے۔ جب سبزے سے لدے پہاڑوں پر رقص کرتی ہے تو لطیف موسیقی بن جاتی ہے۔ مطلب خاموشی جس روپ میں بھی ہو اپنی ایک منفرد آواز رکھتی ہے جس سے بیشتر دنیا تمام عمر ناواقف رہتی ہے۔

اس روز زندگی میں پہلی بار ماہم نے خاموشی کی آواز سنی تھی۔ اس آواز کا اپنا آہنگ تھا۔ جو اس قدر واضح تھی کہ ماہم کی بیداری کا سبب بنی۔ آنکھیں ملتی وہ راہداری میں آئی۔ شبنم میں دھلے خوش رنگ پہاڑوں پر صبح سویرے کی ٹھنڈی دھوپ دیکھ کر اس کی تمام سستی چشم زدن میں دور ہو گئی۔ وہ دوڑ کر ایک جھروکے سے باہر جھانکنے لگی۔ سب کچھ بہت پرسکون تھا۔

"ہیلو۔" ماہم نے آواز لگائی جو ٹکرا کر گونجنے لگی۔ وہ اپنی ہی آواز سن کر ہنس پڑی۔ اسے یوں لگا جیسے پہاڑوں نے ہم زبان ہو کر اس کی پکار کا جواب دیا ہو۔

"ہیلو۔" اس نے پہاڑوں کو دوبارہ آزمایا اور ایک بار پھر پہاڑوں نے اس کی تائید کی۔ اسی لیے پانچ سالہ ماہم نے پہاڑوں سے دوستی کر لی۔

مکمل ناول

"ماہم! منہ ہاتھ دھو کر کچن میں آجاؤ۔" پشت پہ ایک پختہ زنانہ آواز نے اس کو مخاطب کیا۔

ماہم فرماں برداری سے واپس اپنے کمرے کی طرف مڑ گئی۔ یہ کمرا پچھلی رات ہی اس کو ملا تھا۔ اس سے پہلے وہ اپنے ڈورم میں رہتی تھی، جہاں اس جیسی کئی ننھی پریاں تھیں، مگر وہ سب اپنا سامان باندھ کر اپنے گھروں کو جا چکی تھیں۔ اس لیے ماہم کو بھی اپنا کمرا بدلنا پڑا۔ یہ نہایت سادہ سا کمرا تھا، جس پر ماہم کی شوخی کا ابھی اثر نہیں ہوا تھا۔

ماہم پھرتی سے لباس تبدیل کر کے کچن کی طرف لپکی۔ تیا جی نے اس کو دیکھا تو فرائی پین چولہے پر رکھا اور انڈا تلنے لگیں۔ یہ بھی اس کے لیے نیا تجربہ تھا۔ اس سے پہلے ناشتا ڈائننگ ہال میں لگتا تھا اور اکیلے بیٹھ کر کھانے کا کوئی تصور نہیں تھا۔

کرسی پر بیٹھ کر وہ کچن کا جائزہ لینے لگی۔ اس نے میز سے پلیٹ اٹھائی تو چمکتی ہوئی سطح پر اسے اپنا عکس نظر آیا۔ اس نے اسی چمک میں دیکھتے ہوئے اپنے بال درست کیے۔ اپنی بائیں آنکھ کے اوپر چوٹ کے نشان کو دیکھا۔ بائیں آنکھ کے اوپر چوٹ والی جگہ معمولی سی گہری تھی اور باقی جلد سے "لیسیتا" رنگ میں فرق ہونے کے باعث یوں نظر آتی تھی جیسے تین پتوں والا کوئی پھول ہو۔

تیا جی نے پلیٹ سیدھی کر کے اس پر گرما گرم انڈا رکھ دیا اور سامنے پر کھڑے ہو کر اس کے فارغ ہونے کا انتظار کرنے لگیں۔ اس سے قبل ماہم اور اس جیسی باقی لڑکیوں کے معمولات گھنٹی کے تابع تھے۔ آج پہلی بار حالات ماہم کے تابع ہوئے تھے۔ جس نے اسے اس احساس میں مبتلا کر دیا کہ وہ ایک شہزادی ہے جو اس پر شکوہ محلے میں بس رہی ہے۔

ناشتے کے بعد شہزادی صاحبہ کی شاہی سواری ملکہ عالیہ کے دربار کی طرف رواں ہوئی۔ دروازے کے پاس پہنچ کر تیا نے ماہم کا فراک ہاتھ سے سنوارا۔ اگر وہ باقاعدہ پڑھنا جانتی تو اس کا شہزادی کی کہانی کا تصور دروازے کے باہر تو یہاں تختی پڑھ کر ہی غائب ہو جاتا کیوں کہ اس پر جلی حروف میں لکھا تھا۔ "بورڈنگ اسکول فار گرلز مری"

کمرے میں داخل ہو کر اس نے گردن اٹھا کر کمرے کا جائزہ لیا۔ ہلکے سبز رنگ کی دیواریں۔ بڑی بڑی ڈیزائن والی کھڑکیاں کمرے کو روشن کر رہی تھیں۔ سامنے والی دیوار پر ایک لمبی چوڑی پینٹنگ موجود تھی۔ تصویر کے عین نیچے آتش دان تھا جس میں کوئلے کی جگہ گیس کا ہیٹر نصب کر رکھا تھا۔ اسکول نے کھیل، مباحثوں اور تعلیمی میدان میں جو انعامات حاصل کیے تھے وہ ایک شوکیس میں چمک رہے تھے۔ کمرے کے بیچ میں لکڑی کی میز پر پھولوں کے گلدان کے پاس ایک اور تختی موجود تھی۔

"مسز گریس۔ پرنسپل۔"

"شگفتہ! تم جاؤ۔" مسز گریس نے انگریزی لہجے والی اردو میں کہا۔

"ماہم! آپ میرے پاس آکر بیٹھو۔" وہ نہایت ہمدرد اور محبت کرنے والی ہستی تھیں۔

"آپ کو معلوم ہے، آپ اس اسکول کی سب سے کم عمر اسٹوڈنٹ ہو۔" وہ جواب کی منتظر نہیں تھیں۔ ماہم کے لیے یہ سوال نہیں معلومات تھی۔

"ویسے تو اسکول میں ہوم ورک نہیں دیا جاتا، مگر میں چاہتی ہوں آپ ان گرمیوں کی چھٹیوں میں خوب پڑھائی کریں، تاکہ آپ اپنے سے بڑی لڑکیوں کے ساتھ قدم ملا کر چل سکیں۔ میں نے آپ کے لیے ٹائم ٹیبل ترتیب دیا ہے، تاکہ آپ کئی نئی چیزیں سیکھ سکیں اور آپ کا وقت بھی اچھا گزرے۔" مسز گریس کے ہونٹوں پر خاموشی میں بھی ایک مسکراہٹ قائم رہتی تھی۔

ماہم نے بہت معصومیت سے ان کی تمام باتیں سنیں اور آہستگی سے استفسار کیا۔

"باقی لڑکیاں کب آئیں گی؟"

مسز گریس کی مسکراہٹ دھیمی پڑ گئی۔ انہوں نے

تو اس نگاہ سے اس معصوم فرشتے کو دیکھا جو تنہا بھی تھی اور لاعلم بھی تنہا اس لیے کہ اس کا کوئی گھر نہیں تھا' جہاں وہ چھٹیوں میں جاسکے اور لاعلم اس سچائی سے تھی کہ درحقیقت وہ تنہا ہے۔

"وہ بہت جلد واپس آجائیں گی۔" مسز گریس نے دوبارہ مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ وہ انہیں دیکھتی رہی۔

☼ ☼ ☼

بورڈنگ کے ماحول میں عجب سا سکوت ہمہ وقت طاری رہتا تھا۔ اسی سکوت سے اس کا نیا تعلق پروان چڑھنے لگا۔ فلیٹ سے اسلام آباد کا تمام شہر نظر آتا ہے۔ بورڈنگ کی اونچی نیچی زمین پر ایک بڑا ہموار سیمنٹ کا فرش بچھا تھا۔ اس کے ایک طرف سرخ ترچھی چھتوں والی عمارت تھی اور دوسری طرف گہرائی میں جاتے ہوئے پہاڑ تھے۔ اس کو سب فلیٹ کہتے تھے۔ رات کی تاریکی میں جب دارالحکومت کی بتیاں جلتیں تو لڑکیاں پہروں بیٹھ کر نقشہ بنا کر شہر کی حدود سمجھ لیتیں۔ جب موسم بالکل صاف ہوتا تو فیصل مسجد ڈھونڈنے میں کامیاب بھی ہوجاتی تھیں۔

آرام کرسی پر مسز گریس بیٹھی تھیں۔ قریب ہی زمین پر ماہم گھٹنوں کے بل بیٹھی کاغذ پر عمارت کا منظر اتار رہی تھی۔ وہ چھوٹی سی عمر میں وہ کام کررہی تھی جو کئی ماہر افراد نے بہت اعداد و شمار کے بعد انجام دیا تھا۔ اس کی پختگی صفحے پر واضح تھی۔

"یہ دیکھیں۔" اس نے تصویر مکمل کرکے مسز گریس کو دکھائی۔

"بیوٹی فل۔" انہوں نے حسب عادت مسکراتے ہوئے کہا۔

"شیریں کہتی ہے کہ اس کا گھر اس جگہ پر ہے۔" ماہم نے مسز گریس کی نظروں کا تعاقب کرکے وادی میں اشارہ کیا۔ اس کے ہاتھوں پر جگہ جگہ واٹر کلر لگا ہوا تھا۔ چھٹیوں میں یہ اس کا معمول بن گیا تھا۔ مسز گریس نے ماہم کے لیے خاص مصروفیات ترتیب دی تھیں اور کبھی شگفتہ اور کبھی دوسری کسی آیا کی نگرانی میں ماہم وہ امور انجام دیتی۔ جیسے جیسے دن گزرے وہ زیادہ تر وقت ایک ساتھ گزارنے لگیں۔

ابتدا میں ماہم مسز گریس کے لیے ایک ذمہ داری تھی جس کو وہ خوش اسلوبی سے انجام دینا چاہتی تھیں پھر ماہم وہ بچی بن گئی جو ویران در و دیوار کو اپنی ہنسی اور ہستی سے جان دار بنا دیتی تھی۔ جو دن کے آغاز پر روز ڈر کر بنا اجازت ان کے کمرے میں گھس آتی اور گھوم کر اپنا فراک دکھاتی اور دن کے اختتام پر تمام کام لے آتی اور ہر صفحے پر شاباش بٹورتی۔ مسز گریس ہمیشہ سے نرم دل تھیں۔ دیگر طالبات ایک روایتی فاصلے سے ان سے کلام کرتی تھیں مگر ماہم نے فاصلے سمیٹ لیے تھے اور مسز گریس نے ایسا ہونے دیا تھا۔

"مسز! آپ کا گھر کہاں ہے؟" ماہم کے سوال سے ان کے دل و دماغ میں کئی یادیں آندھیوں کی طرح چلنے لگیں مگر سالوں کا تجربہ کام آیا اور چہرے پر وہ ظاہر نہ

بولا۔

"میرا گھر یہی ہے۔" انہوں نے آہستگی سے ماہم کا گال چھوا۔

"میرا بھی یہی گھر ہے تو کیا آپ کا بھی کوئی رشتہ دار نہیں؟"

مسز گریس نے اپنے بائیں ہاتھ کی چوتھی انگلی میں پہنی سنہری انگوٹھی کو گھمایا۔ یہ انگوٹھی ان کو دنیا ترک کرنے کے لیے پہنائی گئی تھی۔ یہ کہہ کر کہ اب ان کا واحد رشتہ یسوع مسیح سے ہے۔ وہاں زیادہ تر نن آئرلینڈ یا انڈیا سے آئی تھیں۔ دو سال بعد وہ اپنے ملک کا چکر لگاتی تھیں مگر دوری نے ان رشتوں سے تعلق بہت کمزور کر دیا تھا۔ ماہم نے مسز گریس کو سوچ میں گم دیکھا تو سمجھی وہ رنجیدہ ہیں۔ اس نے اپنے پنجوں پر کھڑے ہو کر ان کو گلے لگا لیا۔

"میں آپ کے ساتھ ہوں۔ ہم ایک دوسرے کی فیملی ہیں۔" مسز گریس تمام تعلقات اپنی مرضی سے قطع کر کے آئی تھیں اور اب ماہم ان کے گرد نئے رشتوں کا جال بن رہی تھی۔

"ماہم! آپ اس شہر کو قریب سے دیکھنا چاہو گی؟" انہوں نے آہستگی سے ماہم کو الگ کیا۔

"وہاں جا کر؟" ماہم نے آنکھیں پھیلا کر تصدیق کی۔

"اسکول کھلنے سے پہلے نئے کپڑے، جوتے وغیرہ لے آؤ۔ شگفتہ اور ایاز آپ کو لے جائیں گے۔"

"ٹھیک ہے۔" ماہم خوشی سے اچھلنے لگی۔

"چلو ہاتھ منہ دھو لو اور لنچ کے بعد فہرست بنا لینا۔" مسز گریس کرسی سے اٹھ کر اندر کی طرف چل دیں۔

☼ ☼ ☼

نیلی وین چڑھائی اترتے ہوئے ہچکولے کھا رہی تھی۔ یہ گاڑی بورڈنگ کی ملکیت تھی اور ایاز اس کا آفیشل ڈرائیور اور شگفتہ کا خاوند تھا۔ ایاز گنگنا رہا تھا۔ ساتھ شگفتہ بیٹھی پیسے گن رہی تھی جو ماہم کے کپڑوں کے لیے ملے تھے۔

پچھلی سیٹ پر ماہم بند کھڑکی پہ چہرہ ٹکائے باہر دیکھ رہی تھی۔ ہر پانچ منٹ بعد منظر بدل رہا تھا۔ چکراتی لہراتی سڑک صرف دیکھنے میں ہی پرکشش تھی۔ ورنہ وہ سر چکرا تا کہ معدے سے خوراک باہر آنے لگتی۔ ماہم نے پرس میں ضرورت کا سامان رکھا تھا۔ پانی کی بوتل، سیب اور کچھ پیسے جو ہر ڈیڑھ ماہ بعد اس کو ملتے تھے۔ شہر شروع ہوا تو ماہم نے کھڑکی سے نظر ہٹالی اور ونڈ اسکرین سے دیکھنے لگی۔

ایاز نے ایک پوش علاقے کی مارکیٹ میں پہنچ کر وین روک دی۔ ماہم نے گاڑی سے اتر کر نظر اٹھا کر پائن ٹریس اور بیچ میں بنی دکانوں کی قطار کو دیکھا۔

شگفتہ ایک دکان کی طرف چل دی۔ ماہم چند لمحوں کے لیے اندر داخلے میں موجود پتلوں کے انداز میں ہاتھ اٹھائے ساکت کھڑی ہو گئی۔ یہ اس کے بے ضرر مشاغل تھے جو اس نے بورڈنگ میں سیکھے تھے۔ شگفتہ نے چلا کر پکارا تو ماہم وزنی دروازہ دھکیل کر اندر کی طرف ہو گئی۔

"اس بچی کے ناپ کے کپڑے چاہئیں۔" شگفتہ نے سیلز گرل کو بتایا۔

سیلز گرل نے جھک کر ماہم کا گال تھپتھپایا اور ہاتھ پکڑ کر ریک کے قریب لے گئی اور ایک کے بعد ایک فراک نکال کر دکھانے لگی۔

ماہم فراک لے کر اسٹور میں جاتی۔ پہن کر چیک کرتی پھر دوڑتے ہوئے واپس آجاتی۔ تمام شاپنگ اس نے اسی طرح اچھلتے کودتے کرلی۔ شگفتہ ہر دکان پر رسید سنبھال لیتی جو اس کو جمع کروانی تھی۔ تین گھنٹے بعد ماہم کی لسٹ سے تمام چیزیں کٹ چکی تھیں۔

"شاہ زیب اور گل رخ کے لیے بھی کچھ لے لیں۔ پھر واپس چلتے ہیں۔" شگفتہ نے اپنے بچوں کے نام لیے۔

"وہ تو روز باہر جاتے ہیں۔ وہ سب خود لا سکتے ہیں۔" ماہم نے کہا۔ مری کے زیادہ تر بچے اسکول کی چھٹیوں میں ٹورسٹ اسپاٹ پر جا کر مختلف نوعیت کی چھوٹی موٹی کمائیاں کرتے تھے۔ شاہ زیب بھی بلبلے بنانے والا

پانی بیچتا تھا اور اکثر کسی سیاح کی تصویر اتار کر اور تازہ بھی کما لیتا۔

"کوئی دوسرا چیز لائے تو اس کی خوشی اور ہوتی ہے۔ تحفہ دینے سے محبت کا احساس ہوتا ہے۔" شگفتہ نے ماہم کو سمجھایا۔ ماہم نے اچھے بچوں کی طرح سر ہلا دیا۔

اب وہ جس بازار میں گئے' وہاں رش زیادہ تھا۔ دکانوں کے دروازے تو شیشے کے ہی تھے مگر زیادہ تر کھلے ہوئے تھے۔ جن پر کپڑوں' جوتوں کی نمائش ہو رہی تھی۔ اے سی نہیں تھے۔ اکثر دکانوں میں کھڑ کھڑ کرتے پنکھے چل رہے تھے۔ سیلز گرلز نہیں تھی۔ بس ایک یا دو تو ی چیزیں نکال نکال کر دکھاتے اور وہی رقم وصول کرتے۔ اس رش سے دور فاصلے پر ایک دکان تھی جہاں صرف دکان دار موجود تھا۔ اس دکان میں سکون اور تنہائی بالکل سسٹر گریس کی شخصیت جیسی تھی۔

شگفتہ کسی کپڑے کی کوالٹی پر بحث کر رہی تھی کہ معیار کے مطابق قیمت بھی ہلکی کرو۔ ماہم خاموشی سے اس دکان میں چلی گئی۔ وہ کاسمیٹکس شاپ تھی' جس میں رنگین اور خوشبودار بوتلیں سجی ہوئی تھیں۔

"مجھے اپنی سسٹر گریس کے لیے تحفہ چاہیے۔" ماہم نے دونوں بازو کاؤنٹر پر رکھ کر دکان دار سے کہا۔

دکان دار اپنا کام چھوڑ کر اس کے قریب آگیا اور باری باری کئی چیزوں کے نام لیے جو ماہم کو پسند نہیں آئے۔ وہ بچی سے کھیل کی غرض سے نیل پالش لگا کر ٹیسٹ کراتا رہا۔ جب اس کی دس انگلیوں پر دس رنگوں کی نیل پالش لگ گئی تو اس نے ہنس کر ایک اسپورنڈ نیل پالش پسند کی۔

دکاندار نے قیمت بتائی تو ماہم نے پرس کھول کر نوٹ کاؤنٹر پر رکھ دیے۔ پرس سے نکلے نیلے نوٹ اس کے مزاج سے میل کھا رہے تھے۔ اس لیے دکاندار نے ایمانداری سے نفی کر کے بقیہ رقم واپس کر دی۔

"ماہم تم ادھر ہو' میں تو ڈر گئی تھی۔" شگفتہ ہانپتی ہوئی آئی اور بازو کھینچ کر ماہم کو باہر لے گئی۔

☼ ☼ ☼

اگلی صبح ابھی سورج کی روشنی مدھم ہی تھی۔ ماہم سسٹر گریس کے کمرے کی طرف بھاگی۔ ماہم چاہے جتنی جلدی بھی اٹھتی۔ سسٹر گریس پہلے سے اپنے کاموں میں مصروف ہوتیں۔

ماہم نے انہیں دیکھتے ہی تیزی سے سر کا مفلر دہرا لیا پھر تحفہ بڑھا کر بولی۔

"اچھا ہے نا؟"

"بہت اچھا ہے۔" سسٹر گریس نے بغیر پکڑے ڈبے پر ہاتھ پھیرا۔

"اس کو ناخن پر لگاتے ہیں۔" ماہم نے اپنی رنگین انگلیاں دکھائیں۔

"نیل پالش سنگھار کا حصہ ہے' جو میں دنیا کے ساتھ ترک کر چکی ہوں۔" ماہم کا چہرہ مرجھا گیا۔

"آپ میرے لیے تحفہ لائیں' میرے لیے کافی ہے۔ میرا سب سے بڑا تحفہ تو آپ ہو' جو میرے ساتھ رہتی ہو۔"

☼ ☼ ☼

ماحول میں جیسے سحر کا سحر تھا جو آدمی کو پرسکون کر رہا تھا۔ اکثر رات دیر تک جاگنے کی عادت کے باوجود وہ صبح جلد اٹھنے کا عادی تھا۔

جرمنی میں جب وہ تنہا ہر قسم کے پہرے اور بندھن سے آزاد تھا' تب بھی وہ صبح کی جاگنگ ضرور کرتا تھا اور اب پاکستان آکر بھی اس نے یہ عادت قائم رکھی ہوئی تھی۔ اب تک وہ اپنے گھر کے قریبی پارک میں جایا کرتا تھا مگر آج اس نے شہر کے بڑے پارک کا رخ کیا تھا۔ جس کی وجہ شہرت ہی جلد بیدار ہونے والوں کی ورزش تھی۔ واک مین کان سے لگا کر وہ ارد گرد سے بے خبر ہو کر جاگنگ کرنے لگا۔ کافی دیر بعد جب وہ پسینے سے شرابور ہو گیا تو سانس بحال کرنے کی غرض سے ایک بنچ پر بیٹھ گیا۔ کانوں سے واک مین نکالا تو کچھ دیر تیز میوزک کے اثر سے کان سائیں سائیں کرتے رہے۔ سماعت بحال ہوئی تو پہلی آواز جو اس نے سنی وہ کیمرے کے مخصوص کلک اور فلیش کی تھی۔ اس نے

چونک کر دیکھا تو قریب ہی ایک لڑکی اپنے کیمرے سے پھولوں کی تصویریں لے رہی تھی۔ تمام اردگرد سے لاتعلق ہو کر کبھی وہ گھٹنوں پر بیٹھتی تو کبھی بالکل زمین کے قریب آجاتی اور اپنے پسندیدہ زاویے سے تصویر اتارتی۔ آذی کو اس کے حلیے پر حیرت ہوئی۔ اس کا جدید کیمرا اس کے کسی اچھے گھرانے سے ہونے کا پتا دیتا تھا مگر اس کا حلیہ اس کے بالکل برعکس تھا۔ "لگتا" وہ ابھی سو کر اٹھی تھی۔ اس کے الجھے بال جیسے زبردستی ہیئر بینڈ میں جکڑے ہوئے تھے۔ سلوٹ زدہ ڈھیلا کرتا اور پاجامہ۔ "یقیناً" شب خوابی کا لباس تھا۔ جس پر پھیکی رنگت کا دوپٹا اوڑھا ہوا تھا جو باقی لباس سے بالکل میل نہیں کھا رہا تھا۔ البتہ جوتے اس نے اپنی ضرورت کے عین مطابق پہنے تھے مضبوط اور مکمل بند۔ گویا باہر نکلنے سے پہلے صرف کیمرے اور جوتوں پر توجہ دی گئی تھی۔

آذی نے نظر ہٹا کر اپنے بالوں میں ہاتھ پھیرا۔ وہ جھکے ختم ہو چلے تھے۔ کلک اور فلیش کی آواز پر وہ ایک بار پھر چونکا۔ وہ اب کافی نزدیک سے لی گئی تھی۔ اس نے دیکھا وہ لڑکی اب کافی نزدیک سے گھٹنوں کے بل بیٹھی اس کی تصویر لے رہی تھی سو وہ اس مزاج کا نہیں تھا کہ اس کی اس حرکت پر شرما جاتا یا گھبراتا مگر ایک پرسکون والی نیند خراب ہونے پر اس کو غصہ ضرور آیا تھا جبکہ لڑکی نے بغیر وقت ضائع کیے ایک اور تصویر لی۔ آذی نے کچھ بولنے کے لیے منہ کھولا ہی تھا کہ لڑکی نے اپنے چہرے کے سامنے سے کیمرا ہٹایا۔ اس کے چہرے پر نظر پڑنے کے بعد آذی نے اعتراض کرنے کا ارادہ ترک کر دیا۔

"یہ آپ کا شوق ہے یا پیشہ؟" آذی نے بینچ سے ٹیک لگا کر پوچھا۔

"یہ میری عادت ہے۔" لڑکی نے ایک بار پھر کیمرا منہ کے آگے کر لیا اور بات جاری رکھی۔

"جب کسی شوق کو پیشہ بنانے کی تمنا ہو تو پہلے اس کو عادت بنانا پڑتا ہے۔ میں بھی اسی دور سے گزر رہی ہوں۔" وہ اب تھوڑا نزدیک آ کر کہہ رہی تھی۔

"نئی صبح سویرے اکیلے ایک کیمرا تھام کر انجان لڑکوں کی تصویر اتارنا آپ کی عادت ہے؟" آذی کے لہجے میں شرارت بھی تھی اور طنز بھی۔

"یہ کیمرا بہت کام کی چیز ہے۔ انسان کو وہ دکھا دیتا ہے جو وہ خالی آنکھ سے نہیں دیکھ پاتا۔ آذی کی جلد کی تہوں کے اندر تک کی حقیقت مکمل کر واضح ہو جاتی ہے۔" لڑکی اب کیمرے کا فریم آذی کی کلائی پر جما رہی تھی۔

"اس کیمرے سے یہ پتا چل جاتا ہے کہ صبح سویرے اٹھ کر ترتیب سے بال سنوار کر آنے والا امیر لڑکا امپورٹڈ جاگرز اور مہنگا ٹریک سوٹ پہن کر واک جاگنگ کرنے نکلا ہو تو یقیناً "اپنی زندگی کے اس مرحلے سے گزر رہا ہے جب اپنی شخصیت کے اظہار کے لیے اپنی ذات سے زیادہ لباس پر بھروسا کیا جاتا ہے۔" لڑکی نے آذی کی مہنگی گھڑی کی تصویر لے کر طنز اور شرارت سے کہا۔

آذی نے سر سے پاؤں تک لڑکی کے بے ڈھنگے حلیے کی طرف دیکھا۔

"کیمرے کی آنکھ نے جو دیکھا اس کے سمجھنے میں دیکھنے والے کی عقل کا بہت عمل دخل ہوتا ہے۔ یہ بھی تو ہو سکتا ہے اس لڑکے کی شخصیت ہی اتنی بھرپور ہو کہ اچھا لباس اور سنورے بال اس کی روٹین ہو مخصوص تیاری نہیں۔" آذی نے فوراً جواب دیا۔

"ایسے لوگوں سے میں مل چکی ہوں۔" اس کا چند منٹ میں بے تکلف ہو جانا خلاف توقع آذی کو برا نہیں لگا تھا۔

"حلیہ دیکھ کر لگتا نہیں شاید بہت دور کی واقفیت ہے۔" حلیے پر چوٹ کرنے کی باری اب آذی کی تھی۔

"میں بہت عقل مند ہوں۔ میرے لیے ایک ملاقات ہی شخصیت کو پڑھنے کے لیے کافی ہوتی ہے۔ جیسے میں نے کیمرے کی آنکھ سے آج یہ دیکھا کہ موصوف میں امیر ہونے کے باوجود دانش مندی کی کچھ کمی ہے۔"

"یہ تجربہ بہت جلد بازی ہے اور ایسی کیا بات ہے جو آپ کو اتنا عقلمند بنا لی ہے؟" نہ چاہ کر بھی وہ اس گفتگو میں الجھتا جا رہا تھا۔

"مجھے میرے فیصلے عقلمند بناتے ہیں۔ جیسے کہ میں نے فیصلہ کر لیا ہے کہ جاتے ہوئے جب آپ اپنی گاڑی کی چابی لا کر مجھ سے کہیں گے کہ آپ کو کہیں چھوڑ دوں تو میں فوراً" انکار کر دوں گی۔"

"خوش فہمی ہے۔"

"اسی لیے تو آپ میں دانش مندی کی کمی ہے۔" یہ کہہ کر لڑکی مسکرائی اور دو انگلیوں سے سلیوٹ نما الوداع کہہ کر گیٹ کی طرف پلٹ گئی۔ آزی وہیں بیٹھا حیرت سے اس کو جاتا دیکھتا رہا۔ ایسا کبھی نہیں ہوتا تھا کہ کوئی لڑکی آزی کو خاموش کروا دے۔ البتہ لڑکیوں کی اس کو دیکھ کر زبان ضرور لڑکھڑا جاتی تھی۔

آزی یہ فیصلہ نہیں کر پایا تھا۔ وہ اس لڑکی سے متاثر ہوا تھا یا زچ۔ مگر پہلی ملاقات میں اس نے کچھ تاثر ضرور چھوڑا تھا جو آزی کے لیے نیا تجربہ تھا۔

آزی نے بھی واپسی کی راہ لی۔ اس کی چمچماتی امپورٹڈ کار اس وقت ملک کے معروف و افراد کے پاس ہی تھی۔ کچھ دیر ڈرائیو کے بعد وہ پوش علاقے کے وسیع مگر قدرے پرانے طرز کے مکان میں داخل ہو رہا تھا۔ ملازم اپنے روز مرہ کے کاموں میں لگ گئے تھے۔ ڈرائیور گاڑیاں دھو رہے تھے۔ ایک ملازم لان کو پانی دے رہا تھا اور قریب ایک ملازمہ لان کی کرسیوں کو جھاڑ کر پوزیشن بدل رہی تھی۔ جس کا مطلب تھا کہ بیگم رونق جہاں ناشتا تناول فرما چکی ہیں۔ خوشگوار موسم کے باعث بیگم صاحبہ لان میں ناشتا کرتی تھیں اور ان کے ناشتے سے پہلے اور بعد کرسیوں کو اچھی طرح جھاڑ پونچھ کر چمکایا جاتا تھا اور ناشتا ختم ہونے سے پہلے کسی مرد ملازم کو وہاں آنے کی اجازت نہیں تھی۔

آزی لان سے گزرتا ہوا مرکزی دروازے سے داخل ہوا تو یکدم زمانہ ہی بدل گیا۔ باہر سے پرانی وضع کا مکان اندر داخل ہوتے ہی موجودہ دور سے زیادہ جدید ہو گیا تھا۔ امپورٹڈ الیکٹرانک، مہنگا فرنیچر، جدید طرز کا رہن اور

فیملی حاجی اشیا لارت کا نام دیتے تھے۔

آزی نے میز پر موجود جگ سے فریش جوس گلاس میں انڈیلا تھا۔

"آپ کو بیگم صاحبہ نے بلایا ہے۔" نوکر ملازمہ نے پیچھے سے کہا۔

آزی کو معلوم تھا کہ وہ اپنی آفس نما اسٹڈی میں ہوں گی۔ جو چند سال پہلے تک اس کے ابا کی بیٹھک ہوا کرتی تھی۔ کمرے کے دروازے پر پہنچ کر آزی نے اندر جھانکا اور حاجی امتیاز حسین کو بیٹھے دیکھ کر اس کو احساس ہوا کہ یہ ملاقات ماں کے ساتھ نہیں بلکہ بیگم رونق جہاں کے ساتھ ہے۔

حاجی صاحب اس کے ابا کی علالت کے دوران اور وفات کے بعد بھی باقاعدگی سے کاروباری امور کا حساب بیگم صاحبہ کو آکر دکھاتے تھے۔ آزی نے اندر پہنچ کر دونوں کو سلام کیا اور رسمی جملوں کے تبادلے کے بعد کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا۔

"تمہیں پاکستان آئے ہوئے کافی وقت گزر گیا ہے بہتر ہے کہ اب دفتر جانا شروع کر دو۔" رونق جہاں اپنے مخصوص انداز میں بیٹھی تھیں۔ ان کی سیدھی تنی کمر ان کے مزاج کی طرح تھی جو گفتگو کرنے پر بیٹھنے کے بعد بھی کرسی کی پشت سے نہیں ٹکتی تھی۔

"میں آپ کو پہلے بھی بتا چکا ہوں کہ میں اپنا الگ کاروبار کرنا چاہتا ہوں۔"

"تمہیں اس کی اجازت نہیں دوں گی کم از کم ابھی نہیں۔ پہلے چند سال خاندانی کاروبار میں تجربہ حاصل کرو۔" اپنی بات واضح کرنے کے لیے ان کو آواز بلند نہیں کرنی پڑتی تھی۔ لہجے کی سختی ان کی بات کو وزنی کر دیتی تھی۔

"مجھے ان شربتوں، جام، اچار، جوشاندوں، صابنوں میں کوئی دلچسپی نہیں۔ میں اپنے مزاج کے مطابق کام کرنا چاہتا ہوں۔" آزی جملہ مکمل کر کے ایک سیکنڈ کو ڈر سا گیا کہ کہیں ان کی ماں برہم نہ ہو جائیں۔

"تم ان چیزوں کا اس حقارت سے نام لے رہے ہو جو اس ملک کی سب سے بڑی ہوم پروڈکٹس کمپنی

ہے۔ جس کو تمہاری پچھلی دو نسلوں نے بہت محنت سے پروان چڑھایا ہے۔ تم نے باہر پڑھنے کی خواہش ظاہر کی میں نے تمہیں نہیں روکا۔ تم نے ہربار اپنی منوائی ہے۔ اب وقت ہے کہ تم میری خواہش کا احترام کرو۔"

"نہیں اب وقت ہے کہ آپ ابا کی خواہش کا احترام کریں۔" آری نے اپنا سب سے اہم مہرہ آگے کیا۔

رونق جہاں کے تاثرات ایک دم بدل گئے۔ وہ ہمیشہ سے بلند حوصلہ اور ٹھوس کردار کی مالک رہی تھیں۔ شوہر کی زندگی میں بھی کاروبار اور گھریلو امور میں ان کی بادشاہت تھی مگر اپنے تمام فیصلے وہ پس پشت رہ کر منواتی تھیں۔ ان کی علالت کے بعد رونق جہاں کو براہ راست کاروباری امور دیکھنے پڑے۔ پانچ سال قبل ان کے شوہر کی وفات کے بعد سب کا خیال تھا کہ وہ تمام امور جوان بچوں کے حوالے کر کے پُرسکون ہو کر گزاریں گی مگر انہوں نے سب کو غلط ثابت کر دیا اور کاروبار پر اپنی گرفت مزید سخت کر لی۔ وہ آفس سے دور بیٹھ کر اس کو ایسے چلاتی تھیں کہ کوئی پتا بھی ان کی مرضی کے بغیر نہیں ہلتا تھا۔ ہر قدم ان کی رضامندی سے ہو کر گزرتا تھا۔

یہیں آری اور ان کا اختلاف شروع ہوا تھا۔ آری کو الگ کاروبار کی ضد بھی اسی لیے تھی کہ وہ اپنی ماں کے محبت اور رعب بھرے شکنجے سے آزاد ہونا چاہتا تھا۔

"ابا رضامند تھے کہ میں اپنا الگ کاروبار کروں۔ بقول ان کے 'میں نے تو بل بڑا یا ہے اس کا ایک پورا سی اور زمین کو سرشار کرنے تو میں سمجھوں گا میں کامیاب ہو گیا۔"

آری نے دو لمحے رک کر اپنی ماں کے تاثرات دیکھے اور جان لیا کہ وہ بات منوا چکا ہے۔ اس نے اٹھ کر سلام لیا اور کمرے سے باہر نکل گیا۔

رونق جہاں سرخ آنکھوں سے اس کو جاتے دیکھ رہی تھیں۔ وہ اس کی ترقی سے خائف نہیں تھیں۔ اس کے باغی وجود سے خوفزدہ تھیں۔ اس کی ذات میں ہمیشہ ایک بغاوت اور آزادی رہی تھی۔ وہ خود کو ہر ذمہ داری سے لاتعلق سمجھتا تھا۔ اپنی شرطوں پر زندگی گزارتا تھا اور جو بات اس کی مرضی سے ہٹ کر ہوتی اس کو بدل نہیں سکتا تھا تو چھوڑ دیتا تھا۔ کوئی خواہش، رشتہ یا شخص ایسا نہیں تھا جو اس کو کسی دوسرے کی خوشی کے بارے میں سوچنے پر مجبور کرے۔ یا شاید ایسا شخص آچکا تھا مگر رونق جہاں بے خبر تھیں۔

اگلی صبح آری کو یوں محسوس ہو رہا تھا کہ وہ جاگنگ نہیں کر رہا' بھاگ رہا ہے۔ ان زنجیروں سے جو کبھی محبت' رشتہ یا ذمہ داری بن کر اس کے پاؤں سے بندھ جاتی ہیں۔ اس کو کبھی کسی چیز کے لیے محنت نہیں کرنی پڑی تھی۔ آسائشوں نے اس کو دوسروں کی نظر میں بے حس اور اپنی نظر میں عملی بنا دیا تھا۔ زندگی مختصر تھی اور وہ اسے اپنی ہی ذات کے لیے ناکافی سمجھتا تھا۔ دوسروں کی خواہشوں پر جینا گویا اس کو ضائع کرنا تھا۔ اس نے ان خیالات کو جھٹکنے کے لیے میوزک مزید تیز کر لیا اور گیلی زمین پر مزید تیزی سے دوڑنے لگا۔

اسی طرح دوڑتے ہوئے اس کی نگاہ کیمرے والی اس لڑکی پر پڑی۔ وہ آج دو بچوں کی تصاویر کھینچ رہی تھی۔ بچوں کے ساتھ گھل مل کر بچوں کی طرح باتیں کرتے ہوئے ان کو اپنے مطلوب انداز میں بٹھاتی اور تصویر اتار لیتی۔ آری نے لمحہ بھر رفتار آہستہ کر کے اس کو دیکھا۔ آج اس نے ہلکے پیلے رنگ کی شلوار قمیص پہن رکھی تھی جو استری شدہ تھی۔ بال بھی سلجھے ہوئے تھے اور چہرہ بھی کھلا ہوا لگ رہا تھا۔ اسی نے اس لڑکی کی نگاہ اٹھی اور اس نے آری کی نظر کا جواب مسکراہٹ سے دیا اور دوبارہ بچوں کے ساتھ مگن ہو گئی۔

آری کو پہلی بار احساس ہوا کہ اس لڑکی کے نقش تیکھے تھے مگر رنگ سانولا تھا۔ چند لمحوں کے تجزیے کے بعد آری نے اپنی رفتار پھر بڑھالی اور گراؤنڈ کا آخری چکر لگانے لگا۔ چکر مکمل کر کے وہ دوبارہ اس جگہ پہنچا تو بچے بیٹھے کھیل رہے تھے مگر وہ لڑکی موجود نہ تھی۔ آری بھاگتے بھاگتے رک گیا اور نظر دوڑا کر

پارک میں چاروں طرف دیکھا۔ کہیں کوئی زرد لباس نظر نہ آیا۔ نہ چاہتے ہوئے بھی اس کے دل کے کسی کونے میں مایوسی کے سائے منڈلانے لگے۔ اس نے گاڑی کی چابی نکالی اور گہری سانسیں لیتے ہوئے پارکنگ لاٹ کی طرف چل دیا۔ گاڑی کے پاس پہنچنے تک اس کی سانس بحال ہو چکی تھی۔

"ہیلو" وہ لڑکی اس کی گاڑی سے ٹیک لگا کر کھڑی تھی۔

"لو آپ آ گئے۔" آدی کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ آ گئی۔

"گویا آج کیمرے کی آنکھ سے جانچے جانے کا شرف میری گاڑی کو حاصل ہوا ہے۔" آدی نے شرارت سے کہا۔

"اتنی قابل نہیں ہوں کہ بے جان چیزوں میں جان ڈال سکوں۔ میں آپ کا انتظار کر رہی تھی۔ آپ کی ایک امانت تھی میرے پاس۔" اس نے ہینڈ بیگ سے ایک خاکی رنگ کا لفافہ نکال کر آدی کو تھمایا۔

آدی نے لفافہ کھولا تو پچھلے دن کی تصاویر تھیں۔

"یہ تو آپ نے مشکل میں ڈال دیا۔ میں آپ کی فوٹو گرافی کی تعریف کروں گا تو کہیں آپ یہ نہ سمجھیں کہ میں اپنی تعریف کر رہا ہوں۔" آدی اپنی ہی تصاویر دیکھ کر کافی متاثر ہوا تھا۔ تمام تصویریں بناوٹ سے پاک تھیں۔ چند ایک میں منہ گفتگو کے انداز میں کھول رکھا تھا۔ جس کے باعث ان میں حقیقت کا گہرا اثر تھا۔

"آپ کسی کی بھی تعریف کریں میرا جواب شکریہ ہی ہو گا۔ سبجیکٹ کا انتخاب میں نے ہی کیا تھا۔"

"میں کوئی لڑکی نہیں کہ آپ کو تصاویر نو ٹنکی پڑیں۔ آپ یہ رکھ سکتی ہیں۔" آدی نے تصاویر دوبارہ لفافے میں ڈال دیں۔

"میرے پاس نیگیٹوز ہیں۔ آپ کو اس لیے دیں کہ ان پر آپ کا بھی حق ہے۔ میں چلتی ہوں۔" وہ لڑکی مڑ کر گیٹ کی طرف بڑھ گئی۔

اس کے قدموں کے ساتھ ساتھ آدی کی بے چینی بڑھ رہی تھی۔

"سنیں! بات سنیں۔" آدی نے غیر ارادی طور پر اس کو روک لیا۔

"انفش" لڑکی نے مڑ کر آدی کو دیکھا۔ "میرا نام انفش ہے۔"

"آپ نے میری تصاویر لیں تو شکریہ کے طور پر میں آپ کے لیے کچھ کر سکتا ہوں۔"

"کرنے کو تو آپ بہت کچھ کر سکتے ہیں۔ اگر چاہیں تب" انفش نے کہا۔

"آپ فرمائیں کیا چاہتی ہیں؟" آدی نے مؤدب انداز میں پوچھا۔

"مجھ جیسی لڑکی آپ جیسے لڑکے سے اس وقت بھلا کیا چاہ سکتی ہے۔" انفش نے شرارت سے کہا۔ آدی نے مشکوک نظر اس پر ڈالی۔

"ناشتا۔" انفش نے معصومیت سے کہا۔

تھوڑی دیر بعد وہ آدی کی گاڑی میں بیٹھی تھی اور اسے راستہ سمجھا رہی تھی۔

"مجھے جب بھی موقع ملتا ہے میں وہاں نان چنے کھانے ضرور جاتی ہوں۔" انفش نے بے مقصد مشہوری کی۔

"مجھے ناشتا ہلکا پھلکا ہی پسند ہے۔ جوس یا سلائس لے لیتا ہوں۔" آدی نے وضاحت کی۔

"شاید اس لیے کیوں کہ آپ نے پہلے وہاں کے نان چنے نہیں کھائے۔ غالباً شہر کے سب سے پرانے نان چنے ہیں۔ روز روزنہ سہی مہینے میں ایک آدھ بار تو ضرور روایتی ناشتا کرنا چاہیے۔" انفش نے بے تکلف ہو کر کہا۔

"تبدیلی کو آزما لیتے ہیں۔"

"بس ادھر روک دیں۔"

آدی نے دیکھا۔ وہ شہر کی مشہور مارکیٹ تھی مگر زیادہ دکانیں ابھی بند ہی تھیں۔ جو تھوڑے بہت افراد موجود تھے ان میں زیادہ تر تعداد چھابڑی فروشوں کی تھی۔

"کہاں؟"

"وہ ٹھیلے والا۔" انفش نے اشارہ کیا اور گاڑی

سے اتر گئی۔ آذی نے کر ختگی سے اسٹیئرنگ وہیل پر ہاتھ مارا پھر ایشل کو دیکھ کر احساس ہوا کہ وہ سنجیدہ ہے تو خود بھی اتر کر اس کے پاس چلا گیا۔

"تو یہ ہے آپ کے پسندیدہ ناشتے کی جگہ؟" آذی نے تمسخر اڑایا۔

"آپ پھر وہی کر رہے ہیں۔ ظاہری حلیے سے باطن کا اندازہ لگانا درست نہیں ہے۔" ایشل نے آرڈر دے کر پھر سے کیمرا سنبھال لیا۔

"میرا مطلب ہے اگر یہ اتنا ہی مشہور اور معروف ہے تو اب تک اس نے دکان کیوں نہ کھول لی۔ یقیناً اس کا کاروبار بہتر نہیں چل رہا۔"

آذی نے ٹھیلے والے کو پلیٹوں میں چنے' سلاد' رائتہ اور اچار ڈالتے دیکھا۔

"لاٹ صاحب! آپ کو میں سمجھاؤں۔ ان کو چکڑ چھولے کہتے ہیں۔ ان کی خاصیت یہی ہے کہ ان کو ٹھنڈا کھایا جاتا ہے۔ اس لیے چولہے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ رہی بات ذائقے کی تو اس کی ایک ہی ڈیل ہے۔" ایشل نے پلیٹ آگے بڑھائی۔

"یہ صاف ستھرا تو ہے نا؟" آذی کا جملہ ٹھیلے والے نے سن لیا۔

"کیا بات کرتے ہو صاحب! بیس سال سے کام کر رہا ہوں۔" آذی نے قدرے خفگی سے کہا۔

آذی کی ہٹ دھرم شخصیت کو چیلنج کا سامنا تھا۔ اس نے ایک نوالہ منہ میں رکھا اور ساتھ ہی کلک اور فلیش کی مخصوص آواز آئی۔

"یہ آپ کے پہلے نوالے کی یادگار تصویر۔" ایشل نے ہنستے ہوئے کہا اور کیمرا گلے میں ڈال لیا۔

"اب افسوس ہو رہا ہے کہ اس کی دکان نہیں' ورنہ بیس سال بعد یہ تصویر فریم کر کے لگاتا کہ مشہور زمانہ بزنس مین یہاں سے ملن چنے کھاتے تھے۔" ایشل خود بھی کھانے لگی۔

آذی کی جھجک بھی دو نوالوں کے بعد دور ہو گئی۔ یہ اس کی زندگی کا سب سے لذیذ ناشتا تو نہیں مگر منفرد ضرور تھا۔

"آپ چاہیں انکار کریں مگر انسان کا ظاہر وہی ہوتا ہے جو اس کا باطن ہو۔" آذی لطف اندوز ہو رہا تھا۔

"بے شک لیکن ایک مدت کے بعد ایسا ہوتا ہے۔ ایسا قابل قبول صرف تب ہوتا ہے' جب باطن نے ظاہر کو تراشا ہو۔ مگر افسوس اکثر ایسا نہیں ہوتا۔ آسودہ گھرانے تمام تر توجہ اولاد کے ظاہر کو دینے لگتے ہیں۔ یہ پروا نہیں کرتے کہ اس کو سچ اور جھوٹ میں تمیز کرنا آتی ہے کہ نہیں' پر اس کو لباس پہننا ضرور سکھا دیتے ہیں' ملازموں کے ساتھ برتاؤ کرنا نہیں سکھاتے' پر رپورٹ کارڈ پر پورے مارکس چاہئیں۔ اس طرح ان کو یہی درس ملتا ہے کہ باطنی گندگی کو ظاہری خوبصورتی سے چھپا لو۔"

"ایسا ہر بار ہو ضروری تو نہیں۔ یہ بھی ممکن ہے انسان کا باطن تمیز دار ہو اور ظاہر بھی خوش لباس ہو۔" آذی کو ایشل کا ادھورا فلسفہ لگا۔

"ہو سکتا ہے' بالکل ہو سکتا ہے۔ مگر پھر باطن پر بھروسا ہونا چاہیے۔ یعنی اگر کبھی پرانے کپڑے اور بے ترتیب حلیے میں بھی رہنا پڑے تو شرمندگی نہیں ہونی چاہیے۔" ایشل اپنا آخری نوالہ کھا رہی تھی۔

"آف کورس۔" آذی کی پلیٹ بھی تقریباً خالی ہو چکی تھی۔

"چلو پھر آزما لیتے ہیں۔" ایشل نے آذی کو سر سے پاؤں تک دیکھا۔

"یہ جاگرز اسپورٹڈ ہیں؟" ایشل نے پوچھا۔

"ہاں جب جرمنی میں پڑھ رہا تھا' تب خریدے تھے۔"

"تو یہ جاگرز بڑے میاں کے جوتوں سے بدل لو۔" اس نے ٹھیلے والے کی طرف اشارہ کیا۔

"پاگل ہو گئی ہو کیا؟" آذی کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔

"کیوں تمہیں ڈر ہے کہ پشاوری چپل میں کوئی تمہاری عزت نہیں کرے گا؟" ایشل نے چیلنج دینے کے انداز میں کہا۔

"ہرگز نہیں۔ مگر میں ایسی کوئی فضول حرکت نہیں کر سکتا۔" آذی زچ ہونے لگا۔

"میں صرف اپنا مدعا بیان کر رہی ہوں۔ تمہارا مقصد تو چلانا ہی ہے۔"

"تم نے بات کہی میں نے سن لی۔ ایک سرسری سی بات ہوئی کب جانے دو۔ وضاحتیں دے کر تبدیل کروانے کا کیا فائدہ؟ تم کوئی معلم ہو جو دوسروں کو باطن پر بھروسا کرنے کا عملہ درس دیتی پھرو۔" آذی کا لہجہ سخت ہو گیا۔

"صحیح کہہ رہے ہو۔" ایقش نے سنجیدگی سے کہا اور ٹھیلے کے پیچھے چل دی۔

آذی کو لگا وہ خفا ہو گئی ہے۔ ایقش پھرتی سے بڑھتی ہوئی ایک عورت کے پاس پہنچ گئی جو جرابیں، پونیاں، کلپ بیچ رہی تھی۔ اس نے ایک کپڑے کے میلے بیگ میں کچھ رومال ڈال رکھے تھے۔ آذی نے وہیں کھڑے ہو کر دیکھا، ایقش نے اپنا لیدر کا ڈیزائنر بیگ اس کو دے کر اس کا کپڑے کا میلا بیگ لے لیا اور وہ اس تبادلے پر مطمئن نظر آرہی تھی۔

"میرا فائدہ ہو گیا۔ اس میں میرا کیمرا نہیں آتا تھا۔" ایقش نے واپسی آکر خوشی سے کہا۔ آذی بچپنے سے انداز میں ہنس دیا۔ پھر اس نے خاموشی سے بڑے میاں کی چپل سے اپنے جوتے بدل لیے۔

کئی لمحوں ایقش نے مزید تصاویر لے لیں۔

"کیسا لگ رہا ہے؟" واپسی میں ایقش نے شرارت سے پوچھا۔

"تمہاری خوشی کی وجہ سمجھتا چلا رہا ہوں۔" آذی خفا نہیں تھا۔

"تمہیں تمہارا ہی ایک پوشیدہ روپ دکھایا ہے اس لیے خوش ہوں۔"

"پارک آگیا۔ تمہیں کہاں چھوڑوں؟" آذی نے رفتار آہستہ کر لی۔

"وہیں وہ بلند ٹاور کے آگے میرا کالج ہے۔" ایقش نے اشارہ کیا۔

"کالج؟ آج تو چھٹی ہے۔"

"میں ہاسٹل میں رہتی ہوں۔" ایقش نے وضاحت کی۔ آذی نے گاڑی روک دی اور ایقش کیمرا سنبھال کر اتر گئی۔ پھر گاڑی کی کھڑکی سے منہ ڈال کر بولی۔

"شکریہ۔ ناشتے کا بھی اور میرا مدعا واضح کروانے کا بھی۔"

"کوئی مسئلہ نہیں۔ ویسے بھی یہ جاگرز تھے۔ شکر ہے تمہاری نظر میری گاڑی پر نہیں پڑی۔" آذی نے ہنس کر کہا۔

ایقش سنجیدہ ہو گئی۔ "ادھر ہی رکو۔" اس نے ایمرجنسی میں کہا۔

"رکشے والے بھیا! ذرا سننا۔" اس نے قریب کھڑے رکشے والے کو آواز دی۔

آذی کے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ اس نے آؤ دیکھا نہ تاؤ، فل اسپیڈ سے گاڑی دوڑاتا ہوا نکل گیا۔ پیچھے ایقش کھڑی ہنستی رہی۔

☆ ☆ ☆

بورڈنگ میں دن کا آغاز جلد ہو جاتا تھا۔ ہر کلاس کے لیے ایک کشادہ کمرا مخصوص تھا جس کو ڈورم کہتے تھے لمبی دیواروں اور بڑی بڑی کھڑکیوں سے ترچھی چھت باعث گھٹن نہیں رہی تھی۔ کمرے کی آرائش ایسی تھی جس کے باعث دوسروں کا ساتھ اور خلوت دونوں میسر تھے۔ کمرے کے دونوں طرف بستر قطاروں میں لگے ہوئے تھے۔ ہر بستر کے اوپر لکڑی کے ڈنڈوں کی مدد سے پردے نصب تھے۔ جیسے کسی اسپتال کے ایمرجنسی وارڈ میں ہوتے ہیں۔ جن کو بوقت ضرورت کھولا اور بند کیا جا سکتا ہے۔ ہر ڈورم میں ایک نن موجود رہتی تھی۔ ان کے بستر کی دونوں سمت لکڑی کی دیوار لگا کر مختصر سا کمرا بنایا گیا تھا۔ صبح چھ بجے میٹرن آہستگی سے کچھ لڑکیوں کو جگاتی کیونکہ انہوں نے چرچ جا کر عبادت میں حصہ لینا ہوتا تھا۔ آدھے گھنٹے بعد ایک ہاتھ سے گھنٹی ہلاتے ہوئے سسٹر تمام بستروں کے گرد چکر لگانا شروع کر دیتی۔

گھنٹی کی آواز سن کر لڑکیاں جھٹ سے بستر سے باہر نکل آتیں۔ سائیڈ ٹیبل سے اسٹیل کا جگ اٹھاتیں اس میں باتھ روم سے پانی بھر لاتیں۔ سائیڈ ٹیبل پر ہی

اسٹیل کا بڑا سا پیالا یعنی بیسن موجود رہتا تھا۔ جس میں لڑکیاں پہلے منہ دھوتیں، پھر دانت برش کرتیں۔ فارغ ہو کر وہ باتھ روم جاتیں۔ اپنا جگ اور بیسن دھو کر کپڑے سے خشک کر کے دوبارہ اصل جگہ پر رکھ دیتیں۔ باتھ روم سلیقے سے استعمال کے باعث نہایت نفیس ہوتا۔ ایک طرف سات نلکے لگے تھے اور دوسری طرف اتنا ہی لمبا بینچ تھا جو اوپر سے بینچ اور اندر سے جوتوں کی الماری تھی۔ اگلا مرحلہ شب خوابی کا لباس تبدیل کرنا تھا۔

"اندر نہ آنا۔" ماہم نے بستر کے گرد پردہ کھینچتے ہوئے آواز بلند کہا۔

"یہ کہنے کی ہرگز ضرورت نہیں۔ پردہ آگے ہونے کا یہی مطلب ہے کہ بغیر اجازت اندر آنا منع ہے۔" سسٹر بارتھا نے اس کی بدتمیزی پر ٹوکا۔

"سوری سسٹر۔" ماہن نے معذرت کی۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ یہ ایک بے ضرر شرارت بن گئی جو دانستہ طور پر اکثر لڑکیاں کرتیں اور متوقع ڈانٹ سن کر کھسیانی ہنسی ہنستیں۔

لباس تبدیل کر کے پردے نفاست سے سمیٹ دیے جاتے۔ اس بات کا خاص خیال رکھا جاتا کہ پردہ ذرا سا بھی ترچھا نہ ہو اور تمام چنٹیں سیدھی ہوں۔ اس کے بعد بستر ٹھیک کرنے کا تکنیکی مرحلہ آتا جس سے ابتدا میں ہر لڑکی جو جھتی تھی۔ بستر پر سادی چادر بچھا کر اس پر تکیہ رکھتے۔ پھر ایک اور چادر بچھا کر کمبل رکھا جاتا اور اس کے اوپر دوسرا کمبل بچھا دیا جاتا۔ پھر نچلی چادر کے کونے سے کمبل کو ہلکا سا ڈھک دیا جاتا تاکہ کمبل جگہ پر قائم رہے۔ چادر لٹک کر معیوب نہ لگے اس لیے احتیاط سے چاروں اطراف سے چادر میٹرس کے نیچے ڈال دی جاتی۔ آخر میں پن لگا کر بستر مکمل ہو جاتا۔ چھ بج کر پچاس منٹ پر وہ سب تیار ہو کر کیپٹن کے پیچھے قطار بناتیں اور ڈائننگ ہال کا رخ کرتیں۔ جونیئر اور سینئر اسکول کا مختلف ڈائننگ روم ہوتا تھا۔ ڈائننگ روم میں موجود الماری پر تالا لگا ہوتا تھا جو کیپٹن صرف پندرہ منٹ کے لیے کھولتی تھی۔

لڑکیاں اپنے مگ میں چینی، کافی دودھ ڈال کر انہیں خوب پھینٹتیں۔ یہ کافی بنانے کی ضرورت کے ساتھ ساتھ ان لڑکیوں کا شغل بھی تھا۔ منیزہ نے پرنسپل کو آتے دیکھ کر جلدی سے گھنٹی بجا دی اور تمام لڑکیاں ادب سے خاموش ہو گئیں۔ سسٹر گریس اور ریلی نن چرچ سے آئیں تو تمام لڑکیوں نے ادب سے سلام کیا۔ سسٹر گریس جواب دے کر بیٹھ گئیں تو پھر سے پیالوں میں چمچ چلنے لگے۔

ہر روز انڈے مختلف طرح سے بنائے جاتے۔ اکثر ساتھ شوربا بھی میسر ہوتا جبکہ دلیہ ناشتے کا لازمی جزو تھا۔ ناشتے کے بعد لڑکیاں فلیٹ پر اسمبلی کے انتظار میں ٹہلتی رہتیں۔

ایک بجے علم کے بوجھ سے لدی اور تھکی لڑکیاں پھر فلیٹ پر جمع ہوتیں اور کھانے کے لیے پھر ڈائننگ ہال کا رخ کرتیں۔ لنچ کا ہر روز نیا مینیو ہوتا۔ ماہم کو ایک اور لو بھی سخت ناپسند تھی۔ فرنگی انداز میں تیار کیے لنچ میں آلو ایک لازمی جزو ہوتا تھا۔ کھانے پر لڑکیوں کا سب سے بڑا اعتراض یہ ہوتا کہ اس میں مسالے کے نام پر صرف نمک اور کالی مرچ کا تڑکا ہوتا تھا۔ جس سے ہر کھانے کا ایک ہی ذائقہ ہو جاتا تھا۔ ان ننھے ذہنوں نے اس کا توڑ یہ نکالا کہ وہ کچپ، بریانی مسالے اور چاٹ مسالے کے پیکٹ ساتھ رکھتیں اور ان کی مدد سے ذائقے کو کھانے کے قابل بناتیں۔

یہ بورڈنگ کی زندگی کا حسن تھا کہ اس کا ہر لمحہ فعال بنا دیا جاتا۔ کھانا ختم کر کے لڑکیاں کرسیوں پر ہی براجمان رہتیں۔ جب سسٹر گھنٹی بجاتی تو لڑکیاں شکریہ کہہ کر اٹھ جاتیں۔

گھنٹہ بھر ریسلنگ کے بعد اسپورٹس یونیفارم پہن کر لڑکیاں گیمز میں حصہ لیتیں۔ اپنے اپنے ہاؤس کے مطابق گیمز ان کے لیے زندگی موت کا مسئلہ ہوتے۔ کسی جنگی سپاہی کی طرح ہر کوئی اپنے ہاؤس کو سربلند کرنا چاہتا۔ تھوڑے سے فارغ ٹائم کے بعد ساڑھے چھ بجے کھانا لگا دیا جاتا اور چاہے نیند آئے نہ آئے سات بجے سب بستر میں سونے کو لیٹ جاتے تھے۔

اس کے بعد بات کرنا یا بستر سے نکلنا سخت منع تھا۔ نظم و ضبط کی خلاف ورزی کرنے والے کو سزا بھی دی جاتی تھی۔

"ماہم! آپ کو سسٹر گریس نے بلوایا ہے۔" سسٹر کی اطلاع پر ماہم حیران ہو گئی۔

پہلے پہل چھٹیوں کے اختتام پر ماہم اکثر وقت پا کر سسٹر گریس کے آفس میں گھس جاتی اور عادت کے مطابق باتوں کا پٹارہ کھول دیتی۔ اس کے علاوہ کہیں نظر آتیں تو قطار توڑ کر ان سے لپٹ جاتی۔ سسٹر گریس نے اس کو آہستگی سے سمجھایا کہ چھٹیوں کا رہن سہن مختلف ہوتا ہے۔ جو اسکول کے دنوں میں قابل قبول نہیں ہے۔ اس پر لازم ہے کہ استاد شاگرد والا رشتہ قائم رکھے۔ لیکن اس دن جب سسٹر کے خود بلوایا تو ماہم خوشی سے جھومتی ہوئی دوڑ کر ان کے پاس پہنچی۔

"ہیلو آپ کیسی ہیں۔ میرا بھی آپ سے ملنے کا بہت دل چاہ رہا تھا۔" ماہم کے قدم رکتے تو زبان نے رفتار پکڑلی۔

"ماہم! مجھے آپ کو ضروری بات بتانی ہے۔" سسٹر گریس نے کچھ دیر بعد اس کی باتوں کی زنجیر کو لگام دی۔

"بیٹا! زندگی میں کئی دور آتے ہیں۔ ہر دور ایک تبدیلی سے شروع ہو کر کسی دوسری تبدیلی پر ختم ہوتا ہے۔ ان تبدیلیوں سے سمجھوتا ضروری ہے۔ ان گرمیوں کی چھٹیوں میں، میں یہاں نہیں ہوں گی۔ میری ٹرانسفر ہو گئی ہے۔" سسٹر گریس کی بات سمجھنے میں ماہم کو کئی لمحے لگ گئے۔

"پھر آپ میری بھی ٹرانسفر کروادیں۔ میرا بھی کوئی گھر نہیں۔ ہم اسی طرح ساتھ رہیں گے۔"

"آپ کی ٹرانسفر نہیں ہو سکتی۔ آپ کو یہیں رہنا ہے۔" سسٹر گریس نے محبت سے اس کا گال چھوا۔

"آپ کیوں جائیں گی۔ یہاں سب کچھ اتنا اچھا ہے۔ عائشہ کہہ رہی تھی دوسرے شہروں میں گرمی اور شور ہوتا ہے۔ آپ کو تو شور بالکل پسند نہیں۔" وہ بے نام رشتہ ہی تو ماہم کی زندگی کا واحد حق تھا۔

"اتنی کمزور نہ ہو کہ جینے کے لیے انسانوں کے ساتھ کی ضرورت پڑے۔ تمہیں ہمت اور حوصلہ چاہیے۔ ہر رشتہ اپنے اندر تلاش کرنا ہے۔ خود کو سمجھنا ہے اپنی ذات کو پڑھنا ہے۔ جتنا تعلق اور رشتے میں خود کو جکڑو گی اتنا خود سے اور خدا سے دور ہو جاؤ گی۔"

سسٹر گریس چپ ہو کر تلقین کرنے لگیں کہ وہ نصیحت ماہم کو کر رہی ہیں یا اپنے آپ کو سمجھا رہی ہیں۔ اس لمحے پہلی بار سسٹر گریس کے چہرے پر کوئی مسکراہٹ نہیں تھی۔ رہبانیت کی طرف قدم بڑھاتے ہوئے وہ ہمیشہ یہ سمجھ کر خود کو مطمئن کر لیتی تھیں کہ وہ اپنی خواہشات خدائے واحد سے تعلق جوڑنے کے لیے قربان کر رہی ہیں۔ اپنے ایثار پر ان کو کبھی شرمندگی نہیں ہوئی تھی لیکن اس وقت ماہم کے ننھے دل کو رد کرتے ہوئے ان کو اپنی سفاکی کا احساس ہوا تھا۔ انہوں نے گھبرا کر اپنے سر کو جھٹکا۔

نہیں یہ سفاکی نہیں تھی۔ فرض شناسی تھی۔ وہ ماہم کی محبت میں گمراہ نہیں ہو سکتی تھیں۔ وہاں نہیں تھیں تو وہ استاد بھی نہیں تھیں۔ سب سے پہلے وہ ایک نن تھیں اور انہوں نے انسانیت کی خدمت کا عہد کیا تھا۔ ماہم جیسے کئی ننھے وجود ان کی شفقت اور رہنمائی کے منتظر تھے۔ وہ اپنے لگاؤ کے لیے ان مستحق بچوں کو محروم نہیں کر سکتی تھیں۔

ان کے دل و دماغ میں جنگ ہو رہی تھی۔

"آپ کو گھبرانے کی ضرورت نہیں۔ آپ اتنی پیاری ہیں کہ ہر کوئی آپ سے محبت کرے گا۔ تنہائی سے ڈرنے کا مطلب اپنے وجود سے ڈرنا ہے۔ اس ڈر کو ختم کرنے کے لیے اپنے اندر قابلیت بھرو۔ ہنر ہو گا تو تم تنہا نہیں رہو گی۔ تم اپنی ذات اور خواہشات کو سمجھو گی تو کوئی تمہیں بے وقعت نہیں کر سکے گا۔" ان معمولی باتوں سے نہ جانے وہ کیا سمجھی بس سسٹر گریس سے لپٹ کر رونے لگی۔

"ماہم! میرے پاس آپ کے لیے تحفہ ہے۔" انہوں نے میز سے ست رنگی چھتری اٹھائی۔

"یہ جب آپ نے پینٹ کی تھی تو اس میں جادو بھر

گیا تھا۔ یہ آپ اپنے پاس رکھیں اور جب اداس ہوں اس کو گھما کر خدا سے دعا مانگیے گا۔ دیکھیے گا چھڑی اپنا جادو ضرور دکھائے گی۔" وہ ماہم کو مایوس نہیں دیکھنا چاہتی تھیں اس لیے تعلق کا اختتام امید پر کر رہی تھیں۔

"اب میں جادو کروں گی کہ ماہم ہمیشہ خوش رہے۔" وہ اکثر انہیں تحفے دیتی رہتی تھی۔ یہ چینٹ کی ہوئی چھڑی مسز کریس کو بہت پسند آئی تھی۔ اب وہ اسے نوٹا رہی تھیں۔ انہوں نے آہستگی سے چھڑی ہلائی اور دوسرے ہاتھ سے مضبوطی سے گلے میں پہنا کر اسے تھام لیا۔

☼ ☼ ☼

اس نے ایک مرتبہ پھر اپنی قیمتی کی گھڑی میں وقت دیکھا۔ اسے انتظار کرتے ہوئے پچیس منٹ ہو چکے تھے۔ آری نے تیسری مرتبہ ہاسٹل کے گیٹ کی جانب قدم بڑھائے۔

"آپ نے مس انیش کو پیغام دیا؟" اس نے لمبی مونچھوں والے بندوق تھامے چوکیدار سے پوچھا۔ جواب میں چوکیدار نے صرف گردن موڑ کر آری کو اوپر سے نیچے تک گھورا۔

"آری خفت سے دوبارہ اپنی گاڑی کے پاس کھڑا ہو گیا۔ ایک نوجوان لڑکے کو ملاقات کے لیے آتے دیکھ کر چوکیدار کا رویہ خاصا مشکوک ہو گیا تھا۔ آری نے پانچ منٹ بعد پھر گھڑی دیکھی تو اس کا پارہ چڑھنے لگا۔ انیش نہ خود آئی تھی نہ کوئی پیغام بھیجا تھا۔

اس نے واپسی کے ارادے سے گاڑی کا دروازہ کھولا ہی تھا کہ ہاسٹل گیٹ کھلنے کی آواز آئی۔ اس نے مڑ کر دیکھا تو انیش چوکیدار کو اپنا گیٹ پاس دکھا کر باہر آ رہی تھی۔ اس نے خاکی ٹراؤزر، سبز قمیص اور سفید دوپٹا اوڑھ رکھا تھا۔ رنگ مختلف ہونے کے باوجود وہ آپس میں میل کھا رہے تھے۔ نفاست سے لگی ہوئی نیل اس کے پیلے چہرے پر مناسب لگ رہی تھی۔ آری نے انیش کے کندھے کے اوپر سے ایک فخریہ نگاہ چوکیدار پر ڈالی اور ان تمام مشکوک نظروں کا جواب دیا جو پچھلے چالیس منٹ سے وہ آری پر ڈال رہا تھا۔ انیش بے تاثر چہرے کے ساتھ اس کی طرف آ رہی تھی۔ چار قدم کی دوری پر دو لمحوں کے لیے ان کی نظر ملی اور ساتھ ہی انیش نے دھوپ کا چشمہ آنکھوں پر لگایا اور منہ پھیر کر دوسرے رخ چل پڑی۔ آری کے صورت حال سمجھنے سے پہلے ہی انیش قریب کھڑے رکشے میں بیٹھ کر جا چکی تھی۔

چوکیدار دوبارہ آری کو گھورنے لگا۔ اس نے غصہ میں آ کر گاڑی رکشے کے پیچھے لگا دی۔ "یہ لڑکی خود کو سمجھتی کیا ہے۔ ابھی ایک لمحے میں وہ تیار ہو کر نکلی ہے اور ابھی یوں منہ پھیر لیا ہے جیسے بالکل انجان ہو۔"

اس نے گاڑی ایک سپر اسٹور کی پارکنگ میں پارک کی۔ انیش اسٹور میں داخل ہو چکی تھی۔

"عجیب بدتمیزی ہے۔ میں چالیس منٹ باہر کھڑا چوکیدار کی مشکوک نظروں کا سامنا کرتا رہا اور تم منہ بنا کر رکشے میں نکل گئیں؟" آری گروسری سیکشن میں پہنچ کر انیش پر برسا۔

"لڑکیوں کے ہاسٹل کے باہر کھڑا رہنا قابل تعریف عمل ہے؟"

انیش نے کالا چشمہ آنکھوں سے اتار کر سر پر لگایا اور ٹرالی دھکیلتے ہوئے آگے بڑھ گئی۔

آری نے بھی شرمندگی سے بچنے کے لیے ایک باسکٹ اٹھالی۔

"ایک تو میں وقت نکال کر تم سے ملنے آیا اور اس گینڈے جیسے چوکیدار کو برداشت کیا۔ ذرا تو قدر کرو۔"

"بے شک قدردانی فرض ہے۔ میں اسی لیے دیر سے آئی تھی تاکہ چوکیدار وقت پا کر تمہیں گارڈ آف آنر پیش کر دے۔" انیش نے ٹرالی میں صابن اور ٹوتھ پیسٹ ڈالتے ہوئے کہا۔

"واقعی اس نے مجھے ایسا سیلیوٹ دیا ہے جس کا تجربہ مجھے پہلے کبھی نہیں ہوا۔" آری نے بنا دیکھے باسکٹ میں صابن اور ٹوتھ پیسٹ ڈال لیے۔

"جو حالت تمہاری باہر کی تھی وہی میری اندر ہو رہی تھی۔ پہلی بار ایک لڑکا مجھ سے ملنے آیا تھا جس کو کمرے کا نمبر بھی معلوم نہیں تھا اس لیے چوکیدار وارڈن کے پاس گیا اور وارڈن نے کمرے میں پیغام بھجوایا جس سے سارے ہاسٹل میں دھوم مچ گئی کہ ایفش سے کوئی لڑکا ملنے آیا ہے۔" ایفش ناراضی سے نظر بھی نہیں مار رہی تھی اور چیزیں لیتے ہوئے یوں ہم کلام تھی جیسے شیلف سے باتیں کر رہی ہو۔

"تو میں اور کیا کرتا۔ تم دو ہفتے سے پارک نہیں آرہی تھیں۔" آذی بنا دیکھے باسکٹ میں چیزیں رکھتے ہوئے ایفش کے ساتھ چل رہا تھا۔

"میں پارک ورزش کرنے تو نہیں جاتی کہ باقاعدگی سے جاؤں۔ میں تصویریں لینے جاتی تھی اور میری کوئی مجبوری نہیں کہ اپنے شوق کو ایک ہی جگہ تک محدود کرلوں۔ ویسے بھی میرے امتحان ہونے والے ہیں میں مصروف تھی۔"

"مجھے تمہارے امتحانوں کی مصروفیت کا علم نہیں تھا ورنہ یوں پریشان نہ کرتا۔"

"بات مصروفیت کی نہیں میری ساکھ کی ہے۔ تمہیں اندازہ ہی ہے ہاسٹل میں میرے بارے میں کس طرح کی باتیں ہو رہی ہوں گی۔"

آذی کو بالکل احساس نہیں تھا کہ ایفش کے اندر ابھی ایک روایتی لڑکی موجود ہے۔

"تمہیں کب سے فرق پڑنے لگا کہ لوگ تمہارے بارے میں کیا سوچتے ہیں؟"

"جب سے لوگوں نے یہ سوچنا شروع کر دیا کہ دو ملاقاتوں کے بعد وہ مجھ پر اتنا حق رکھتے ہیں کہ سرعام میرا نام پکار کر مجھ سے ملنے کا اعلان کر سکیں۔" ایفش نے آذی کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر رعب سے کہا اور اگلے شیلف کے پاس چلی گئی۔

اس بار آذی اس کے پیچھے نہیں گیا پہلے تو ایفش بے خیالی میں شیلف پر پڑی چیزیں دیکھنے لگی۔ پھر خیال آیا تو دائیں بائیں دیکھا۔ آذی کہیں نہیں تھا۔ ایفش دبے قدموں پچھلے شیلف کی طرف گئی جہاں

ایک منٹ پہلے اس نے آذی سے آخری بات کی تھی وہاں بھی کوئی نہیں تھا۔ ایفش افسردہ ہو گئی۔ شاید غصے میں زیادہ ہی بول گئی تھی۔ وہ خفا تھی مگر یہ نہیں چاہتی تھی کہ آذی چلا جائے۔ وہ تو خود اسے یاد کرتی تھی مگر امتحان کی وجہ سے پچھلے تین ہفتے سے اپنی سرگرمیاں روک دی تھیں۔

ایفش تیز تیز چل کر داخلی دروازے کی طرف گئی کہ شاید آذی وہیں کھڑا ہو مگر وہاں بھی اسے نہ پا کر ایفش کا دل شاپنگ سے اچاٹ ہو گیا۔ آذی کا اتنا قصور نہیں تھا جتنا اس چوکیدار کا تھا۔ دراصل ایفش اور چوکیدار کی پہلے سے ہی چپقلش چلی ہوئی تھی۔ ایفش تصاویر لینے صبح صبح ہاسٹل سے نکلتی تھی تو چوکیدار نے وارڈن کو شکایت کر دی تھی۔ اس پر ایفش کو ایک علیحدہ درخواست لکھ کر وارڈن کے دستخط کروانے پڑے۔ ایفش کو چوکیدار کی مداخلت کبھی نہیں بھولی اور چوکیدار کا ایفش سے شک دور نہیں ہوا۔ ان حالات میں آذی کے آنے سے چوکیدار کا پلڑا بھاری ہو گیا۔

بجھے دل اور اداس قدموں سے زمین رگڑتے ہوئے ایفش کاؤنٹر پر پہنچی تو آذی دکان دار سے گفتگو کر رہا تھا۔

"مجھے کوئی جلدی نہیں۔ آپ تسلی سے بل بنائیں مگر باری کا خیال رکھیے گا۔" آذی شوخی سے ایفش کا راستہ روکے کھڑا تھا۔

"مگر مجھے جلدی ہے۔ آپ ان کو جلدی فارغ کریں۔"

"بی بی جی! آپ کا بھی کر دیتے ہیں۔ کوئی مسئلہ نہیں۔" دکان دار نے ایک لڑکے کو آواز دی کہ ایفش کا بل بنا دے۔ تاکہ دونوں کا ساتھ ساتھ ہو جائے۔

دکان دار نے فٹافٹ پیسے وصول کیے۔ آذی فوراً باہر نکل گیا۔

"رکو تو سہی ایک ضروری بات کرنی ہے۔" ایفش نے باہر نکل کر آواز دی۔

"کیا؟" اس نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

"مجھے ہاسٹل تو چھوڑ دو۔" ایفش نے اپنا شاپر بھی آذی کو تھمایا۔

"واپسی پر بہت ٹیک نائی ہوگی؟" تزی نے اس کا دوپٹا کھینچ لیا۔

"جب پہلی ملاقات میں بے تکلفی' دوسری میں دوستی اور تیسری میں لڑائی بمع صلح ہوجائے تو ایسے تعلق پر چوکیدار کی پروا نہیں کرتے۔" انش نے بیگ سے کیمرا نکالا اور دونوں ہاتھوں میں شاپر تھامے تزی کی تصویریں کھینچنی شروع کردیں۔

☆ ☆ ☆

سفید پتھر کی دیواروں سے چمکتا ہوا نیلا آسمان جھانکتا تھا۔ انگریزی طرز کے جھروکے' ترچھی چھت' بلند کھڑکیاں اور اونچی بیرونی دیواریں گھنے سرسبز درختوں سے لدے پہاڑوں کا منظر دکھاتے تھے۔ کہنے کو وہاں زندگی بہت رنگین تھی۔ انہی رنگینیوں میں ایک ننھا فرشتہ کھیل رہا تھا۔ اس کے ہاتھ میں سات رنگوں سے بنی چھتری تھی۔ کبھی ماہم مٹی کے گملے میں قسم قسم کے پتے اور گھاس دیکھ کر کھانا پکاتی تو یہ چھتری اس کی ڈوئی بن جاتی۔ جس سے وہ نہ آگ کے چولہے پر ہانڈی بھونتی۔ کبھی پہاڑ کی ڈھلان کو کشتی بنا کر اس پر سوار ہوجاتی اور چھتری کو چپو بنا کر ناٹا یانی کو چھپے و مخلیتی رہتی۔ جب اس کی کشتی خیال کے دریا کے وسط میں پہنچتی تو اسی چھتری سے مچھلیاں پکڑ کر کشتی میں ڈھیر کرتی رہتی۔ اب وہ پریوں کا کھیل رہی تھی۔ سنا تو تھا کہ فرنگیوں کے دور میں یہ کسی حکومتی سربراہ کی گرمیوں کی آرام گاہ تھی پھر بعد میں عمارت کی تعمیر نو کرکے ایک مشنری اسکول بنا دیا گیا۔ زمانے' سیاست اور ضروریات کی بے شمار ردوبدل کے بعد اب یہ ایک بورڈنگ اسکول تھا جس کی انتظامیہ کی طرح طالبات میں بھی مسلم عیسائی امتزاج تھا۔ تمام طالبات اور بیشتر اساتذہ طویل چھٹیوں میں اپنے گھروں کو چلے جاتے تو سوائے ماہم کے۔ اس نے تنہائی سے دوستی کی تدبیریں سیکھ لی تھیں۔ اس کے ہاتھ سسٹر ارین کا اسکارف لگا جو اوڑھنے پر اس کے پیروں تک لٹک گیا۔ اس نے چھتری پکڑ کر پری کی طرح جادو کرنا شروع کردیا۔

اچانک کوئی ماہم کے سر سے اسکارف کھسکا اور پیروں میں لپٹ گیا۔ ماہم لڑکھڑنے لگی۔ خود کو سنبھالنے کے لیے اس نے چھتری سے جنگلا پکڑا۔ مٹھی کھلنے اور بند ہونے میں ماہم کے ہاتھ میں جنگلا آگیا اور چھتری نکل کر پہاڑوں سے ٹکرائی پرزہ پرزہ ہوتی گہرائی میں گر گئی۔ سات رنگ ستر ٹکڑوں میں بکھر گئے۔ اس دن ماہم کا جادو ٹوٹ گیا اور وقت بدلنے لگا۔

☆ ☆ ☆

اس نے دو پونیاں بنائیں۔ بائیں بغل میں سنہرے بالوں والی گڑیا دبائی اور معمول کی طرح راہداری سے گزرنے لگی۔ کمرہ' کلاسوں اور آفس کے سامنے سے گزرتے ہوئے بورڈنگ کے پچھلے دروازے تک پہنچی۔ اس کی منزل دو یا تین کی چھتوں والے مختصر گھر تھے' جہاں تایا شگفتہ اور چوکیدار منیر کی فیملی رہتی تھی۔ یہ حصہ بورڈنگ کی ملکیت تھا اور اس سے ملحقہ بھی تھا گھر کے درمیان میں گیٹ نصب تھا جس کو شگفتہ تایا اور منیر کے علاوہ کوئی پار نہیں کرتا تھا۔

"میں آگئی۔" ماہم نے گھاس پر بیٹھے شاہ زیب' ماہ نور اور طاہرہ کو متوجہ کیا۔

"ماہم بیٹھو! میرے پاس گیا۔" شاہ زیب نے ہاتھ میں موجود غلیل لہرائی۔

"میں اس سے نشانہ لیتا ہوں۔" شاہ زیب نے مہارت سے پتھر غلیل میں رکھا اور درخت کا نشانہ لیا۔ پتھر لمبے تڑنگے درخت کے تنے میں لگا اور کھو گیا۔ پہلے دو دن شاہ زیب استاد بنا رہا پھر راجا اور گل ریز بھی غلیل لے آئے تو مقابلہ شروع ہوگیا۔ لڑکیاں پتھر تلاش کر اکٹھے کرتیں اور منتیں کرتیں مگر لڑکے دس بار کہنے پر ایک بار موقع دیتے۔

ماہم نے کلائی سے اپنی واٹر پروف گھڑی اتاری اور شاہ زیب کی غلیل سے بدل لی۔ اگلے روز ماہم گڑیا چھوڑ کر غلیل لیے پہنچی تو لڑکیاں تارا آپا کے اردگرد بیٹھی تھیں۔ تارا آپا گڑیا کے برتن بنا رہی تھیں۔

سب لڑکیوں نے گیلی مٹی سے اپنی اپنی پسند کے

برتن بنانا شروع کرا دیے۔ ماہم نے پینٹ استعمال کیے اور برتن خوب صورتی سے مکمل ہو گئے۔ اس روز جب ماہم واپس جا رہی تھی تو ہلکی ہلکی تھکاوٹ میں کچھ سیکھنے کی طمانیت بھی تھی۔ انسان مٹی سے بنا ہے اور مٹی میں ہی جاتا ہے اس نے بھی مٹی سے تعلق جوڑ لیا تھا۔ کھیل کے میدان میں پہنچ کر ماہم گھاس پر لیٹی اور سکون سے سو گئی۔ اس کے سکون کی حقیقی وجہ تین الفاظ تھے۔ ملنساری، جذبہ اور حوصلہ۔ یہ تینوں خوبیاں اس میں موجود تھیں جو جلد چھننے والی تھیں۔

آسمان نے آہستہ آہستہ سورج کی بتی بجھا دی تاکہ اس کی نیند میں خلل نہ پڑے۔ خنکی نے زور پکڑا تو ماہم کی آنکھ کھل گئی۔ ڈر کے مارے چیختے ہوئے اندر بھاگی۔ ڈورم کے قریب سسٹر مارتھا نظر آئیں۔ ماہم ان سے لپٹ گئی۔

سسٹر مارتھا نے اس کے بالوں میں پھنسی گھاس دیکھی۔ اس کے فراک پر پینٹ کے نشان تھے اور ناخن مٹی سے بھرے تھے۔

"لیٹرے بدل کر ڈنر کے لیے آؤ۔" سسٹر مارتھا نے ماہم کو بھیج کر پہلی فرصت میں ٹیچر پرنسپل سے بات کی۔ ماہم کے بدلے سبز کندے کپڑے اور ادب و آداب کی خلاف ورزی کے پیش نظر اس پر ان بچوں کے ساتھ کھیلنے پر پابندی لگا دی گئی۔ وہ سالوں کی تہذیب دو مہینوں میں گنوا دے "ایسا ناقابل قبول تھا ماہم ابھی پابندی کا مفہوم بھی نکال سکی کہ چھت تلے رہنے والے اور چھری کانٹے سے کھانے والے مختلف ہوتے ہیں۔ اس کی ملنساری فرق جھجک میں بدل گئی۔

☼ ☼ ☼

ایک تحقیق کے مطابق انسان کی توجہ کا دورانیہ صرف دو سیکنڈ ہوتا ہے وہ کسی بھی چیز پر توجہ مرکوز کرتا ہے تو ہر دو سیکنڈ بعد توجہ تبدیل ہو جاتی ہے۔ نظر اگر ایک ہی جگہ پر ٹکی رہے تو اس میں تفصیلات نظر آنے لگتی ہیں۔ اس نے چھٹیوں کے بے شمار سیکنڈ میں کئی چیزیں جانی تھیں اور اب وہ اسکول کی بوڑھی سی دیوار پر وہ سارے جذبات ظاہر کر رہی تھی۔ مارکر، پنسلیں اور دوسری چیزوں سے اس نے کئی تصاویر بنا ڈالیں۔

اسکول کھلنے کے قریب جب اسٹاف کا وہاں سے گزر ہوا تو ماہم کی شامت آگئی۔ اگلے گھنٹے پرنسپل آفس کے سامنے تنہا کھڑی ماہم شرمندگی سے سوچتی رہی کہ اس سے غلطی کیا ہوئی۔ اس نے چند تصاویر تو بنائی تھیں جس سے بے رنگ دیوار کیسے کھلنے لگی تھی۔ اس سوال کا جواب سوچتے سوچتے اس کے اندر سے کچھ نیا کرنے کا سارا جذبہ ٹوٹ گیا۔

زوردار آواز کے ساتھ دروازہ کھلا۔ ڈری سہمی ماہم دروازہ سے لگی تھر تھر کانپ رہی تھی۔ اس نے شاید کوئی ڈراؤنا خواب دیکھا تھا اس لیے ننگے پاؤں دوڑ آئی تھی۔

"مجھے یہاں سونا ہے۔" ماہم نے کہا۔

کمرے میں کوفت کی ایک لہر دوڑ گئی۔

"نہیں۔ تم اپنے کمرے میں سوؤ گی اور جوتے پہن کر رکھا کرو۔" ثمینہ کے ہاتھ میں سلائیاں تھیں جن سے وہ سویٹر بن رہی تھیں۔

"میں اکیلے نہیں سوؤں گی۔" ماہم کی آنکھوں سے گرم قطرے سردی سے سرخ ہوتے گالوں پر بہنے لگے۔

"اچھا میرے پاس آؤ۔" میوزک ٹیچر زینب نے کہا۔

"نہیں۔ اس کو اس کے کمرے میں سلا کر آؤ۔" ثمینہ نے عہدے میں بڑے ہونے کا حق استعمال کیا۔

ٹیچرز بچوں سے ہفتہ پہلے واپس آگئی تھیں تاکہ کورس پلاننگ کر سکیں۔

مختصر چھٹیوں میں اکثر کئی لڑکیاں ٹھہر جاتی تھیں۔ ان کو تفریح کرائی جاتی تھی اور ان کی ضروریات کا خاص خیال رکھا جاتا تھا مگر گرمیوں اور سردیوں کی طویل چھٹیوں میں سب اپنے اپنے گھروں کو ضرور جاتیں سوائے ماہم کے۔ اس بار کمپیوٹر لیب کی توسیع اور کچھ انتظامی امور جن ٹیچرز کے سپرد تھے انہیں ماہم کی ذمہ داری بھی اضافی مل گئی تھی۔

"رشتے کو اتنا ہی قائم کرو جتنا نبھایا جا سکے۔ آج ہم اس کو گھر والوں کی طرح سنبھالیں گے تو کیا ضمانت ہے کل بھی اس کو ایسے ہی اون کر لیں۔ وہ کل کرے اس سے بہتر ہے آج گر کر سنبھلنے کی تربیت دے دو۔ آٹھ سال کی ہے۔ حقیقی ماں باپ بھی ہوتے تو اب تک اس کا کمرہ الگ کر چکے ہوتے۔" ثمینہ نے زیب کی واپسی پر اس کو سمجھایا۔

رات کے اندھیرے میں ماہم ایک بار پھر عبلے کے کمرے کا رخ کر رہی تھی۔ اس بار اس کی آنکھوں میں خوف نہیں تھا۔ پہلے اس میں تماشا بننے کا حوصلہ تھا اور اب اپنا آپ ظاہر کرنے کی ہمت آ گئی تھی۔ اس نے دروازہ کھول کر اندھیرے کمرے میں جھانکا۔ سب گہری نیند سو رہے تھے۔

صبح ثمینہ جوتے پہننے لگیں تو معلوم ہوا ان کی چپل سے اون بندھی ہوئی ہے۔ سبز اون وہی تھی جس سے پچھلی رات وہ سویٹر بن رہی تھیں۔ انہوں نے اون کا سرا پکڑا اور چل پڑیں۔ اون طویل دالان سے ہو کر لان تک جا رہا تھا۔ ان کی دنوں کی محنت لوٹ کر گرد میں لپٹی ہوئی تھی۔ آخری سرا ایک چیتھڑے سے جڑا تھا اور لان کی نرم مٹی میں سلائیاں گڑی ہوئی تھیں اور وہ چیتھڑا کسی فتح کے جھنڈے کی طرح لہرا رہا تھا۔ اس روز بطور سزا ماہم کو گھنٹہ بھر سرد فرش پر بیٹھنا پڑا اور اگلے کئی روز تک اون کی سویٹر بن نہ سکا۔ کسی نے اس میں سوئی ڈال دیا تھا۔

☆ ☆ ☆

"سر! آپ کے لیے انٹرنیشنل ٹریولنگ ایجنسی سے فون ہے۔" سیکریٹری نے فون پر آذی کو اطلاع دی۔

"اچھا ملاؤ۔" چند لمحوں بعد فون پر ایک زنانہ آواز ابھری۔ "خوش خبری۔"

آذی نے مسکراتے ہوئے کرسی سے ٹیک لگا لی۔

"آپ کو منتخب کیا گیا ہے ہمارے بمپر پرائز کے لیے صرف تین آسان سوالات کے جواب دیجیے اور گھر بیٹھے حاصل کریں ہمارا بمپر پرائز۔" انجی کی کھلکھلاتی آواز پر آذی نے قہقہہ لگایا۔

"پہلا سوال کہ آپ اس فرائیڈے کو کیا کر رہے ہیں۔ آپ کے آپشن ہیں کچھ نہیں۔ فارغ ہوں یا ہوگا بھی تو منسوخ کر دوں گا۔"

"کچھ نہیں۔"

"دوسرا سوال۔ کبھی آپ نے ایسا دن گزارا ہے جس میں دل بھر کر آوارہ گردی کی ہو۔ کھانا نہ کھایا ہو مگر چٹ پٹی ہلکی پھلکی لغویات سے پیٹ بھرا ہو۔"

"نہیں۔" آذی نے سوچ کر جواب دیا۔

"آپ کا جواب درست ہوا۔ تیسرا سوال اس بمپر پرائز کے درمیان حائل ہے۔ دل تھام کر بیٹھیں۔ سوال ہے کہ آپ کی سیکریٹری شادی شدہ ہے یا غیر شادی شدہ؟" انجی نے یک دم لہجہ سخت کر لیا۔ آذی جواباً ہنس پڑا۔

"تھا نہیں۔"

"یہ جواب قریب ترین ہے۔"

"آپ جیتے ہیں ایک خوب صورت دن انجی کے ساتھ اور زندگی سے بھرپور لڑکی کے ساتھ گزارنے کا موقع تو جمعہ کی صبح گیارہ بجے رخت سفر باندھیں اور میرے انداز میں ایک دلچسپ دن گزار کر اس کو یادگار بنائیں۔"

"تو کے میں پک کر لوں گا۔" آذی نے ہنستے ہوئے فون بند کر دیا۔

دوسرے دن ٹھیک گیارہ بجے ایک فراٹے بھرتی موٹر بائیک ہاسٹل گیٹ کے سامنے رکی۔

"یہ آپ موٹر بائیک پر کیسے؟" پہلی بار آذی نے انجی کو حیران کیا۔

"تم نے ہی تو کہا تھا کہ تمہارے انداز سے دن گزارنا ہے۔" انجی خوش گوار حیرت سے بائیک پر بیٹھ گئی۔

"میں کچھ تحقیق کر کے آیا ہوں تو پہلے آپ کیا کھائیں گی؟ گول گپے، دہی بڑے یا شکر قندی؟" آذی کی یہ ادا بھی انجی کو پسند آئی تھی۔

"پہلے ہم تصویریں کھنچوائیں گے۔"

"جو حکم۔" آذی نے اپنا اسٹارٹ کر دی۔ چند گھنٹوں بعد وہ سمر کے قریب گھاس پر بیٹھے تھے۔

"بہت سالوں بعد میرا دن اتنا اچھا گزرا، شکریہ۔" انیش نے پچھا کھاتے ہوئے آذی کو پیش کیا۔

"دن تو میرا بھی بہت اچھا گزرا کئی سال بعد۔" آذی نے کئی پر زور دیا۔ "اس سے پہلے میں ابا کے ساتھ ایسے گھومتا تھا ان ہی جگہوں پر یونہی تھیلیوں سے الم غلم کھاتے ہوئے۔ تب بہت چھوٹا تھا۔" آذی سوچ میں گم ہو گیا۔

"تم اپنے ابا کو بہت یاد کرتے ہو؟" انیش نے پوچھا۔

"ہاں ابا زندگی سے بھرپور آدمی تھے۔ جوانی میں گھڑسواری کیا کرتے تھے انہوں نے کبھی کاروبار اور خاندان کے چکروں میں اپنی زندگی اور شوق نظرانداز نہیں کیے اور نہ ہی کبھی اپنے شوق کو ذاتی زندگی پر اثرانداز ہونے دیا۔ ان کو توازن رکھنا آتا تھا۔ وہ بیمار ہوئے تو امی نے ابا کی جگہ لینے کی کوشش شروع کر دی۔ انہوں نے بزنس کی سوجھ بوجھ تو حاصل کر لی مگر ابا کی طرح زندگی جینے کا گر نہیں سیکھ سکیں۔" آذی رک گیا۔

"تم اس بات پر ان سے خفا ہو؟"

"نہیں میں خفا نہیں ہوں۔ شاید اس وقت کی یہی ضرورت تھی ورنہ کم عمر بچے کئی مشکلات سے دوچار ہو سکتے تھے۔ امی نے ایسا ہونے نہیں دیا۔ انہوں نے نہ صرف کاروبار سنبھالا بلکہ اس کو ترقی بھی دی۔ البتہ ماں بننا بھول گئیں۔ محبت اور اصول پسندی کا ایک پنجرا سا بنا لیا اور اولاد کو قید رکھنے کی کوشش کی۔"

"مگر تم نے وہ پنجرہ توڑ ہی لیا۔" انیش نے ہنس کر ماحول بدلا۔ "تم نے الگ کاروبار شروع کر لیا۔ اپنے پیروں پر کھڑے ہو گئے اور آزادی حاصل کر لی مگر یہ کتنا بورنگ ہو گیا ہے۔"

"کیوں؟" آذی انیش کے انداز پر ہنس پڑا۔

"اب تو کسی لڑکی کو بھگانے کا مزہ بھی نہیں آئے گا۔ اپنا کاروبار ہے۔ اچھا کماتے ہو۔ ایسے میں لیڈی مجر/ لو میرج کا کیا مزہ رہ جاتا ہے۔"

"میرج کا نہ سہی لو کا تو مزہ ہے۔" آذی نے نظریں انیش کے چہرے پر گاڑ دیں۔

"چلو ٹھیک ہے تو اور علی لگی کو کس نہ کر بیٹھیں۔" انیش نے نظریں چرائیں۔

"تم نے مجھ سے تین سوال پوچھے تھے۔ میرا صرف ایک سوال ہے۔" آذی نے سنجیدگی سے پوچھا مگر انیش کی نظر نہ اٹھ سکی۔ وہ کسی بھی سنجیدہ سوال کے لیے تیار نہیں تھی۔ رشتے کو نام دینے کے خیال سے ہی اسے چکر آیا تھا۔

"کیا تم ایک دن میرے انداز سے گزارو گی؟" آذی نے کہا۔ انیش کا سانس بحال ہوا۔

"کیوں نہیں۔ بس ایک شرط ہے۔ ہاسٹل چھوڑنے سے پہلے مجھے آئس کریم کھلاؤ گے۔" انیش نے بچوں سی فرمائش کی۔

☆ ☆ ☆

بیگم رونق جہاں میز پر موجود موٹی موٹی فائلوں کو الٹ پلٹ کر رہی تھیں۔ سامنے بیٹھے حاجی صاحب ہر فائل کے مطابق تفصیلات بتا رہے تھے اور رونق جہاں ایک الگ ڈائری میں ہدایات لکھ رہی تھیں۔ دونوں افراد کے سامنے چائے کی پیالیاں رکھی تھیں جو ٹھنڈی ہو رہی تھیں۔ بیگم صاحبہ مصروفیت کی وجہ سے چائے بھول بیٹھی تھیں اور حاجی صاحب گھبراہٹ کی وجہ سے۔ وہ جب بھی پیالی منہ تک لے کر جاتے تو کچھ یاد آ جاتا۔ وہ الفاظ تولنے لگتے کہ کیسے بتائیں۔ اسی تول مول میں وہ بیگم صاحبہ کے چند سوال نظرانداز کر گئے۔

"حاجی صاحب! آپ کا دھیان کہاں ہے؟" بیگم صاحبہ نے ٹھوس لہجے میں پوچھا۔

"وہ بیگم صاحبہ! ایک بات بتانی تھی۔" حاجی صاحب نے ہونٹوں پر زبان پھیری۔

بیگم صاحبہ خاموش رہیں۔ وہ الفاظ بھی ضائع کرنے کی قائل نہیں تھیں۔

"وہ آوی صاحب کے متعلق بات تھی۔" حاجی صاحب رونق جہاں کے مزاج سے خوف زدہ تھے۔

"مجھے انتظار پسند نہیں۔" رونق جہاں بھڑکیں۔

"وہ آوی بیٹا آج کل ایک لڑکی کے ساتھ گھوم رہے ہیں۔ کافی دوستی ہو گئی ہے۔ اکثر اکٹھے نظر آتے ہیں۔" بیگم صاحبہ نے سامنے موجود فائل زور سے بند کی جس کی آواز سے حاجی صاحب سہم گئے۔

"ہم سے تنخواہ لینے والا ہمارا ایک ملازم یہ جرات کرتا ہے کہ ہمارے بیٹے کے متعلق ہمیں کچھ بھی کہہ سکتا ہے۔" بیگم صاحبہ کی گردن کے ساتھ ان کی آواز بھی مزید تن گئی۔

"آپ کو یہ حق حاصل ہے تو صرف اس لیے کہ اس کی بات کبھی غلط نہیں ہوئی۔ یہ بات سچ ہے تو مجھے فکر مند کس بات پر ہونا چاہیے۔ اس کے لڑکی کے ساتھ پھرنے پر یا اس لڑکی کے ساتھ پھرنے پر۔"

جواب میں حاجی صاحب پھر لرز گئے اور ہونٹوں پر زبان پھیرنے لگے مگر بیگم صاحبہ کی نظروں کی تاب نہ لا سکے اور بول پڑے۔

"دراصل... وہ لڑکی عیسائی ہے۔"

☆ ☆ ☆

پہلی چیز جو اینش کو دیکھتے ہی آوی نے نوٹ کی وہ کیمرے کی غیر حاضری تھی۔ اس کے ہاتھ میں چھوٹا سا پرس تھا۔ بال کھلے ہوئے تھے اور لمبا دوپٹا ادا سے اوڑھا ہوا تھا یعنی وہ خود کیمرا چھوڑ کر آئی تھی۔ رہی سہی تصدیق اونچی ایڑی والی نازک سی سینڈل نے کر دی کہ آج وہ تصاویر لینے نہیں، صرف آوی سے ملنے آئی تھی۔

"کیا ارادہ ہے؟"

"کچھ سنجیدہ ہونے کا۔" آوی نے شرارت سے کہا اور تھیٹر ڈرامے کی دو ٹکٹس اینش کو پکڑا دیں۔

اینش اور آوی ڈرامے کے بعد ایک کتابوں کی شاپ پر آئے تھے۔

"بہت خوب مگر میں یہاں تمہیں کچھ اور دکھانے آیا ہوں۔" آوی نے کہا۔ اور اسے لے کر دکان کے وسط میں رکھے شیشے کی میز/شیلف تک پہنچا جہاں خاص خاص کتابیں موجود تھیں۔

"اولین تصاویر۔" آوی نے ایک کتاب کی جانب اشارہ کیا۔ اینش واؤ کہتے ہوئے آگے بڑھی اور آہستگی سے اس کے چکنے صفحے پلٹنے لگی۔

"واؤ۔ اتنی اچھی کتاب مارکیٹ میں موجود ہے۔"

"میں جانتا تھا تمہیں پسند آئے گی۔ گفٹ کرنے سے پہلے تمہارے چہرے کے تاثرات دیکھنا چاہتا تھا۔" آوی نے خریدنے کی نیت سے کتاب اٹھائی۔

"نہیں بھئی۔ علم کا ذخیرہ کرنے کے لیے لائبریری موجود ہے۔ میں تو وقت گزاری کو پڑھتی ہوں۔ میرے لیے یہ ناول کافی ہے۔"

اینش اتنا مہنگا تحفہ لینا نہیں چاہتی تھی۔ اس لیے آوی کے اصرار کے باوجود منع کر دیا اور پہلے پسند کیا ہوا ناول ہی لینے پر مصر رہی۔ جب بل ادا کرنے کی باری آئی تو اینش نے والٹ سے ممبر شپ کارڈ نکالا جس پر دس فیصد رعایت ملتی تھی۔ اس روز ان دونوں نے ایک دوسرے کی پسند کو نئے زاویوں سے جانا تھا۔

لنچ کے لیے وہ ایک پرسکون ریسٹورنٹ میں آئے تھے۔ آوی کو ڈر تھا کہ اینش شاید تکلفات سے کھائے جانے والے کھانے پسند نہ کرے مگر یہ ایک ضروری رسک تھا۔ اینش نے بنا مینیو پڑھے آرڈر دیا۔ کھانا آیا تو آوی نے حسب عادت چھری کانٹا پکڑ لیا اور اینش نے ایک ادا سے چاپ اسٹکس اٹھائیں اور مہارت سے نوڈلز کھانے لگی۔ آوی کو اس کا ساتھ اسی لیے پسند تھا کہ وہ اسے چونکا دیتی تھی۔ ہر موقع پر اس کا تجزیہ غلط ثابت ہوتا تھا۔ اس وقت آوی کے ذہن میں یہ خیال دور دور تک نہ تھا کہ جب اینش کی چونکا دینے والی باتیں ختم ہو جائیں گی تب اس تعلق کا کیا مستقبل ہو گا۔

"مجھے کہنا پڑے گا کہ تم نے مجھے کافی سرپرائز کیا ہے۔ میں سوچ رہا تھا کہ آج کا دن تمہارے لیے منفرد

ہو گا مگر ایسا لگ رہا ہے تم ان ساری چیزوں کا پہلے سے تجربہ رکھتی ہو۔" آری نے ریسٹورنٹ سے نکل کر گاڑی میں اعتراف کیا۔

"یعنی میں ادب و آداب سے رہوں تو باعث حیرت ہے؟"

"نہیں ایسا بھی نہیں ہے مگر ایک ہی ہفتے پہلے ٹھیلوں سے دہی بھلے کھاتی مٹی ہاتھ پر گھٹنوں کے بل بیٹھ کر بلڈنگ کی تصاویر لینے والی لڑکی اگلے ہفتے ڈرامہ دیکھنے ایک ایکسکلوزیو تھیٹر جاتی ہے اور اس کو اندھیرے میں معلوم ہوتا ہے کہ اس کی سیٹ کون سی ہے' ٹکٹ خریدنے گئی ہے تو ممبر شپ کارڈ ہولڈر ہے جو کہ صرف اس صورت میں ملتا ہے' جب کارڈ ہولڈر باقاعدگی سے ہزاروں روپے کی خریداری کرتا ہو۔ ایک فائن ڈائن ریسٹورنٹ میں جاتی ہے۔ مینو دیکھے بغیر آرڈر کرتی ہے اور چاپ اسٹک سے کھاتی ہے تو حیرت تو بنتی ہے نا۔"

"کیا یہ دوسرے الفاظ میں مجھ پر دہری زندگی جینے کا الزام ہے؟"

"نہیں مگر شکوہ ہے کہ اپنا یہ انداز پہلے کیوں نہیں دکھایا۔" انیش چند لمحے کو چپ رہی پھر بہت سوچ کر جواب دیا۔

"تو آج تمہارا یہ شکوہ بھی دور کر دوں۔" انیش نے اس دوستی کو داؤ پر لگایا۔

❁ ❁ ❁

"یہ کہاں لے آئی ہو؟" آری نے گاڑی ایک عالی شان گھر کے سامنے روک دی۔

"مجھے یہ فلم ڈویلپ کرنی ہے۔" انیش نے پرس سے کیمرے کی فلم نکالی۔

"یہاں۔ یہ تو کسی کا گھر ہے۔" آری کو اس کی عقل پر شک ہوا۔

"یہ میرا گھر ہے۔" انیش گاڑی سے اتر گئی اور پرس سے چابی نکال کر اندر داخل ہو گئی۔

"اسی شہر میں تمہارا گھر ہے تو ہاسٹل میں کیوں رہتی ہو۔" آری کچھ دیر جھجکا پھر پیچھے ہو لیا۔

انیش روانڈری سے قدم بڑھا رہی تھی۔

"یہ تمہارا گھر ہے تو سامنے کے دروازے سے کیوں نہیں جا رہیں۔"

"کیوں کہ میں نہیں چاہتی' میرا کسی سے سامنا ہو۔"

"میں باہر انتظار کرتا ہوں۔" اس کے ساتھ تنہا گھر میں جانا آری کو نامناسب لگا۔

"ڈرپوک۔" انیش منہ چڑا کر آگے بڑھ گئی۔

آری نے ادھر ادھر دیکھا۔ کوئی نظر نہیں آیا۔ باہر کسی نے دیکھا تو زیادہ مسئلہ ہو سکتا تھا' اس لیے آگے بڑھ گیا۔ داخل ہوتے ہی دائیں ہاتھ ایک دروازہ تھا جس پر ایک بڑا سا لواہنٹری کا اسٹیکر لگا تھا۔ انیش نے ایک اور چابی سے دروازہ کھولا اور اندر داخل ہو گئی۔ کمرے میں شدید گھٹن کا احساس تھا اور کہیں کوئی روشنی کا ذریعہ نہیں تھا۔ انیش نے ایک سرخ بلب روشن کیا اور قریب پڑی میز پر اپنا پرس اور دوپٹا رکھ کر بال باندھ لیے۔

آری نے جائزہ لیا۔ کئی کیمیکلز کی بوتلیں' کچھ ٹرے اور کچھ مشینری موجود تھی۔

"یہ میرا ڈارک روم ہے۔ یہاں میں فلم دھوتی ہوں۔" انیش نے کہا۔

"ذاتی ڈارک روم ہونے سے یقین ہو گیا کہ یہ صرف تمہارا شوق نہیں بلکہ پیشن ہے۔" آری نے ہلکی پھلکی گفتگو سے ماحول کی گھٹن دور کرنے کی کوشش کی۔

"معلوم ہے مجھے یہ شوق کب ہوا؟" انیش نے اوپر سے ریل کا ڈھکن کھولا۔

"جب میں گیارہ سال کی تھی۔ ممی نے کہا کہ وہ ملک سے باہر جا رہی ہیں۔ کئی ہدایات' نصیحتوں کے ساتھ ایک فرمائش بھی کی کہ میں ہر موقع پر ان کو اپنی ایک اچھی سی تصویر بھیجوں۔ میں نے اس کو ایک مشغلہ سمجھ لیا اور پہلا کیمرا خریدا۔" انیش اب ریل کھول کر ٹکڑوں میں کاٹ رہی تھی۔

"شاید ہی اس کیمرے سے میں نے کوئی تصویر کھینچی ہوگی۔ البتہ میں نے اسے خوب استعمال کیا۔ ہر موقع پر کسی نہ کسی کو پکڑ کر اپنی تصویر کھنچواتی۔ میرے ملازم، سہیلیاں سب تصاویر کھینچنے میں مشاق ہو گئے تھے۔ بدلے میں ممی بھی مجھے اپنی تصاویر بھیجتیں۔ کبھی کچن میں، کبھی کام کرتے ہوئے اور زیادہ تر تفریح کرتے ہوئے۔ میرے ذہن میں کبھی یہ سوال نہیں آیا کہ ان کی تصویر کون لیتا ہے۔"

ایفش اب تھرمیٹری کی مدد سے نیگیٹو کا عکس ایک بڑے کاغذ پر اتار رہی تھی۔

آری خاموشی سے اس کو سن رہا تھا۔

"پھر ممی کی تصویریں آنا کم ہو گئیں تو بھی میں اپنی تصاویر بھیجتی رہی۔ جب میں تیرہ سال کی ہوئی تو ممی نے مجھے بہت ساری تصویریں بھیجیں۔ لگتا تھا پوری ریل ہی پوسٹ کر دی ہو۔ ساتھ ایک مبارک باد کا خط تھا۔ میرا بھائی ہوا تھا کسی تصویر میں وہ اکیلی نہیں تھیں۔ ان کی گود میں ایک بچہ تھا جس نے میری جگہ لے لی تھی۔" ایفش اب کیمیکل کی ٹرے میں تصویری کاغذ بھگو رہی تھی اور اس پر آہستہ آہستہ تصویر ابھر رہی تھی۔

"ڈیڈ سے طلاق انہوں نے جانے سے پہلے لے لی تھی۔ ان تصویروں کو دیکھ کر لگا جیسے اس دن میری اور ممی کی بھی علیحدگی ہو گئی ہو۔" مدھم روشنی نے اس کی آنکھوں کی نمی کو چھپا رکھا تھا۔

"اس کے بعد میں نے کبھی ممی کے لیے تصویر نہیں کھنچوائی اور غصے میں کیمرا توڑ ڈالا۔" دیوار پر ایک تار لگی ہوئی تھی جس پر بے شمار کلپ تھے ایفش نے ایک کلپ کی مدد سے تصویر سوکھنے کے لیے لٹکادی۔

"اور تمہارے ڈیڈ؟" آری نے پوچھا۔

"ان سے تو ایک گھر میں رہتے ہوئے بھی تصویری رشتہ تھا۔ وہ پاکستان میں اقلیتوں کی سب سے بڑی این جی او چلاتے ہیں۔ تم نے ان کا نام بھی نہیں سنا ہوگا کیونکہ ان کی وارڈ روب کی طرح ان کے ڈونرز بھی اسپورٹڈ ہیں۔ یہاں موجود ضرورت مند عیسائیوں کے آنسوؤں کی بیرون ملک تشہیر کرکے فارن کرنسی کماتے ہیں۔ اپنے اس جذبہ خدمت کی خود ہی قدر دانی کرتے ہوئے اس کرنسی کا بڑا حصہ اپنے اکاؤنٹ میں جمع کرواتے ہیں۔" ایفش کے چہرے پر غصہ تھا۔

"یعنی ان سے تمہارا اصولی اختلاف ہے؟"

"ان سے میرا ہر درجے کا اختلاف ہے۔ اولاد کو جنم اور پیسہ دینا کافی نہیں ہوتا۔ میں نے اپنا دوسرا کیمرا لیا اور ہر اس چیز کی تصویر لی جو میری زندگی میں نہیں تھی۔ اس طرح مجھے کیمرے سے محبت ہو گئی۔ ڈیڈ کے ساتھ اختلاف کو پس پشت ڈالنے کے لیے میں نے نئی راہ بدل لی اور ہاسٹل میں شفٹ ہو گئی۔ اب میں پچھلے چار سال سے اپنی پسند کی زندگی گزار رہی ہوں۔ ٹھیلے سے کھانا یا بینک پر بیٹھنا میرے لیے اس لیے پرلطف ہیں کیونکہ مجھے صرف چار سال اس پرلطف زندگی کے ملے ہیں ورنہ بڑے بڑے ریسٹورنٹ میں کھانا ایکسکلوزیو کلب کی ہائی کلاس پارٹیز میں نے ساری عمر دیکھی ہیں۔" ایفش نے تقریباً ساری ریل دھولی تھی۔ جس طرح تصویریں دھل کر واضح ہو رہی تھیں اسی طرح آری کی نظر میں ایفش کی زندگی واضح ہو گئی تھی۔

وہ ایفش جوزف تھی۔ ایک بڑی کرسچن فیملی کی ڈسٹربڈ لڑکی۔ جس نے زندگی میں اپنی راہ خود متعین کی تھی جو آری کی زندگی اور خاندان سے کہیں میل نہیں کھاتی تھی، مگر پھر بھی آری کو اس سے محبت ہو گئی تھی۔

☆ ☆ ☆

چھٹیاں ختم ہوئیں اور بورڈنگ کی رونق بحال ہو گئی۔ ہم جماعتوں کی واپسی کے بعد ماہم بہت سکون سے رات گزارتی جبکہ دوسری لڑکیوں کی ابتدائی راتوں میں مدھم سسکیاں ڈورم میں گونجتیں۔ اسکول سے بے حد محبت بھی گھر سے جدائی کا غم کم کرنے میں وقت لیتی تھی۔ پھر جب دماغ میں آجاتے تو اداس ہونے کا وقت ہی نہیں ملتا تھا۔ سات بجے بتیاں گل کرکے

سب سونے کو لیٹے تو کئی سسکیاں بلند ہوئیں جو دھیمی ہوتی ہوتی بجھ گئیں۔ بادیہ نئی تھی اس لیے اس کی آواز آخر تک آتی رہی۔ بیڈ نائم کے بعد باتیں کرنا سختی سے منع تھا، مگر وہ ماہم ہی کیا جو اصولوں کے آگے جھک جائے۔ پچھلے چند سالوں سے اپنی اصول توڑنے کی عادت کی وجہ سے اس نے انتظامیہ کا ناک میں دم کر رکھا تھا۔ آہستگی سے بستر سے نکل کر ماہم بادیہ کے بستر میں گھس گئی۔ خوش قسمتی سے پرداسر کنے کی آواز کسی نے نہیں سنی۔

"ابھی نئی ہو' آہستہ آہستہ عادت ہو جائے گی۔" ماہم نے سرگوشی کی۔

بادیہ کی ماں کی چار سال پہلے وفات ہو گئی تھی۔ دو سال پہلے بادیہ کے پاپا نے دوسری شادی کر لی تھی۔ ایلیٹ کلاس کے آداب کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے ان کے رشتے میں روایتی سوتیلا پن نہیں تھا بلکہ شوگر کوٹڈ کھچاؤ تھا۔ سال پہلے بادیہ کا دوسرا بھائی پیدا ہوا تو اس کی ممی نے اپر کلاس سے تعلق کا ایک اور تقاضا پورا کیا اور بادیہ اور اس کے بڑے بھائی کو بورڈنگ بھیج دیا۔

اسی رات ان دونوں کی خوب اچھی دوستی ہو گئی۔ ناشتے اور پڑھائی کے بعد وہ بالکونی میں کسی کتاب کے ساتھ بیٹھ جاتیں اور گیٹ سے آتے جاتے والدین کو دیکھتیں۔ اتوار کے روز والدین صبح دس بجے ملنے آتے اور چاہتے تو بچوں کو غروب آفتاب تک ساتھ لے جا سکتے تھے۔ ماہم کو کسی کا انتظار نہیں ہوتا تھا پھر بھی وہ والدین کی آمد و رفت کا منظر دیکھتی اور اپنی جلن میں خشک میووں کو چھلکوں سے آزاد کرتی رہتی۔

"شیریں! تم ادھر کیا کر رہی ہو۔ فون کال کا انتظار نہیں کرنا؟" ماہم نے اپنی ہم جماعت کو آواز دی۔

جن کے والدین دور شہروں میں مقیم تھے، وہ فون کے ارد گرد جمع ہو کر فون کا انتظار کرتیں، جس پر انہیں صرف پانچ منٹ بات کرنے کی اجازت تھی۔

"نہیں! میری کال نہیں آئے گی۔" شیریں قریب آ گئی۔ "پاپا الیکشن میں مصروف ہیں اور ممی دبئی گئی ہوئی ہیں۔"

"اوہ یعنی اس مہینے تم ان کو نہیں دیکھ سکو گی۔" ماہم نے اسے تھیلی سے توڑی بادام کی گریاں پیش کیں۔

"ان کو دیکھنا کون سا مشکل کام ہے۔ کل کے اخبار میں ان کی کئی تصاویر اور بے شمار سیاسی بیانات ہوں گے۔" شیریں کے لہجے میں اس کے نام کے برعکس تاثر تھا۔

"لعنہ آئیں تو سرخیاں لگتی ہیں۔"

"اور میرے والدین جب آجائیں تو سرخیاں لگ جاتی ہیں۔" سارہ نے پیچھے سے آتے ہوئے کہا۔ اس کے ساتھ بادیہ بھی تھی۔ سارہ کے والدین فلمی دنیا کا معروف طلاق یافتہ جوڑا تھا، وہ جب اس سے ملنے آتے تو اسٹاف روم تک دھوم مچ جاتی۔

"واٹ سٹنگ شاٹ۔" بادیہ نے غلیل کو دیکھ کر اس کا انگریزی نام لیا۔ "تمہیں چلانا آتی ہے؟"

"اس میں کیا مشکل ہے بس نشانہ لے کر کھینچو۔" ماہم نے بادام کھینچ کر چھوڑا۔ جو طاقت سے زمین پر لگا اور اس کا چھلکا ٹوٹ گیا۔

سب نے باری باری قسمت آزمائی کی۔ جب ماہم کی باری آئی تو نشانہ لینے کے لیے سب نے الگ الگ جگہیں تجویز کیں۔

"میرے پاس بہتر آئیڈیا ہے۔" ماہم نے شرارت سے کہا اور بادام چھوڑ کر موٹا اخروٹ پکڑ لیا۔ نیچے زینب ریحان اپنے والدین اور چھوٹے بھائی کے ساتھ جا رہی تھی۔ ماہم نے پوری طاقت سے اس کے سر کا نشانہ لیا جو اس کی کمر پر لگا اور وہ چیخ کر اچھلی۔ چاروں لڑکیاں بالکونی کی ریلنگ کے پیچھے چھپ گئیں۔

ماہم کو زینب ریحان جیسی لڑکیوں سے سخت نفرت تھی۔ وہ پڑھائی میں درمیانے درجے کی تھی مگر اپنے آداب کی وجہ سے ٹیچرز اس کو بے حد پسند کرتی تھیں جو نہ خود قانون توڑتی تھی اور نہ کسی اور کو توڑنے دیتی تھی اور سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ وہ ان لڑکیوں میں سے تھی جن کے والدین اتوار کو باقاعدگی سے ملنے آتے تھے اور اگر نہ آسکیں تو لائن چاہے جتنی بھی مصروف ہو' فون ضرور کرتے تھے۔ جن کے لیے اتوار

کو دن بہت دیر سے بجتے اور سورج بہت جلد غروب ہو جاتا تھا جن کے دوسرے رشتہ دار بھی باقاعدگی سے خط اور کارڈ بھیجتے تھے جن کو لے کر وہ پورے کانونٹ میں خوشی سے اترائی پھرتی تھیں ان کے خاندان کے کئی افراد نے اس ادارے سے تعلیم ... زینب نے گیٹ پار کرتے ہوئے ماہم کو دیکھ لیا۔ اس کی نظر سے ماہم کو شخ کا مکمل احساس ہوا تھا۔

مسز ہیلن اپنے آفس کے باہر بے چینی سے ٹہل رہی تھیں۔

اسکول کی چھٹیاں ہوتیں تو والدین اساتذہ سے پروگریس رپورٹ لے کر بچوں کو ہمراہ لے جاتے مگر اس روز کچھ مختلف تھا۔

"لڑکیوں نے سامان پیک کر لیا؟" مسز ہیلن نے ڈورمز میں رہنے والی سسٹرز سے پوچھا۔

"جی۔ سامان جانے کے لیے تیار ہے۔"

"سامان کی تلاشی لینی ہوگی۔ میرے آفس سے مونیکا سمتھ کی دستخط شدہ ہاکی گیند غائب ہے۔"

گیند اسکول کی ایک سابقہ طالبہ نے پروفیشنل ہاکی میں نام کمانے کے بعد بھیجی تھی جو شیشے کے بکس میں محفوظ رہتی تھی لیکن وہاں باہر سے تین پتیوں والا پھول بنا ہوا تھا جو چوری کی نشانی تھی۔

"تمام بہت اچھے خاندانوں کی لڑکیاں ہیں وہ چوری کیسے کر سکتی ہیں۔" سسٹر مارتھا کو اپنی تربیت پر بھروسا تھا۔

"یہی تو حیرت ہے لڑکیوں کو تو گھر جانے کا کس قدر انتظار ہوتا ہے اور..." مسز ہیلن نے ذہن پر زور دیا۔

"ماہم کہاں ہے؟" وہ معاملے کی تہ تک پہنچ گئی تھیں۔

ماہم بھی اپنا سامان ضرور پیک کرتی تھی۔ چاہے چند گز دور جا کر دوسرے کمرے میں کھولنا کیوں نہ پڑے۔ سب ماہم کے کمرے تک گئیں۔

"ماہم سامان کھولو۔"

ماہم جانتی تھی کہ اس تفتیش کا کیا مقصد ہے۔ اس لیے اس نے دیر نہیں لگائی اور جیب سے صرف وہ گیند نکال کر دکھا دی۔ کمرے میں شدید تناؤ تھا اور ماہم زمین پر نظریں گاڑے کھڑی تھی۔

"بیٹا! آپ نے ایسا کیوں کیا؟" مسز ہیلن مزاج سے کر اثر دیکھ چکی تھیں اس لیے پیار کی زبان آزمائی۔

پھر نہ ماہم نے آنسوؤں پر بند باندھا اور نہ اس نے اپنے الفاظ روکے اور تمام احساسات بتا دیے کہ کس طرح اس کو اکیلے رہنے سے خوف آتا ہے اپنا خاندان نہ ہونا اس کے لیے دکھ کا باعث ہے۔ وہ گیند چرا کر اپنی سہیلیوں کو جانے سے روکنا چاہتی تھی۔

ماہم کے چپ ہونے تک سب اس کو تسلی دیتے رہے۔ کسی نے اس کی اس حرکت کی سرزنش نہ کی۔ دل کا غبار نکال کر ماہم باہر نکلی تو اس نے ایک نئی بات سیکھی کہ خلاف توقع کام کرنے سے توجہ ملتی ہے۔

اسی بات کو پلو سے باندھے ماہم گیٹ کے قریب لگی اسکول کی گھنٹی زور زور سے بجاتے ہوئے اونچی آواز میں گانا گانے لگی۔ گاڑیوں میں بیٹھتے والدین نے ایک کڑی نگاہ ماہم پر ڈالی تو ماہم کے خیال کی تصدیق ہو گئی کہ خلاف توقع کام کرنے سے درحقیقت توجہ ملتی ہے۔

✿ ✿ ✿

گھر کے باہر گاڑیوں کی ایک قطار تھی اور اندر لان کے پاس چند بیٹھے تھے۔ ڈرائنگ روم میں خواتین سپارے پکڑے اپنے اپنے انداز میں بیٹھی قرآن شریف پڑھ رہی تھیں۔ آذی سب چیزوں سے نظر بچا کر سیڑھیوں کی جانب لپکا۔

"آذی! بات سنو۔" بیگم رونق جہاں نے تیسری سیڑھی پر اس کو آواز دی۔

"جی۔" آذی نے کوفت سے کہا۔

"گھر میں قرآن خوانی ہے۔"

"دیکھ رہا ہوں۔"

"تم بھی وضو کر کے سپارہ پڑھ لو۔ اس مہینے تمہارے ابو کی برسی ہے۔ ان کی روح کو ثواب پہنچے گا۔"

"جی اچھا۔" آذی کی کوفت غائب ہو گئی تھی۔

"چاہے تجھے نہ آؤ' اپنے کمرے میں ہی پڑھ لو۔" رونق جہاں نے مسکراتے ہوئے کہا اور دوبارہ ڈرائنگ روم میں چلی گئیں۔

اس بات میں کوئی حکم تھا نہ کوئی دباؤ۔ اس لیے عمل کرنے کا دل بھی چاہ رہا تھا۔ آوی نے نماز کر وضو کیا اور عرصے بعد قرآن پڑھا۔ محفل کے اختتام پر بیگم رونق جہاں آوی کے کمرے میں آئیں۔

"آپ نے کیوں سیڑھیاں چڑھیں مجھے بلا لیا ہوتا۔" آوی کو شرمندگی ہوئی۔

"ابھی بہت ذمہ داریاں ہیں مجھ پر۔ تمہارے ابا کے کئی ادھورے کام پایۂ تکمیل تک پہنچانے ہیں۔ اتنی جلدی ہمت نہیں چھوڑ سکتی۔" آوی نے محسوس کیا کہ پچھلے دو دنوں سے گھر میں اس کے ابا کا ذکر زیادہ ہو رہا تھا۔

"میں تو بس تم سے تمہارے دفتر کا حال پوچھنے آئی تھی۔ کام جم گیا؟"

بیگم رونق جہاں نے بہت سکون سے آوی سے اس کے کام کے متعلق سوالات کیے۔ کچھ مسئلوں پر مشوروں کا تبادلہ خیال ہوا اور پھر شب بخیر کہتے ہوئے چلی گئیں۔

صبح آوی جاگنگ سے واپس آیا تو پچھلے دن کی محفل کے کئی اثرات موجود تھے۔ جس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ بیگم صاحب اب تک لان میں بیٹھی اخبار پڑھ رہی تھیں۔ آوی نے گھڑی دیکھی۔ اس وقت تو وہ ناشتا کر کے جا چکی ہوتی تھیں۔ شاید پچھلے روز کی تھکاوٹ کا اثر تھا جو آج تاخیر ہو گئی پہلے وہ نظر انداز کر کے گزرنے لگا مگر قریب پہنچ کر اس نے ارادہ بدل دیا۔

"السلام علیکم"

"وعلیکم السلام۔ بیٹھو بیٹا تھوڑا سانس لے لو۔ ورنہ بھاگتے بھاگتے عمر گزر جاتی ہے اور احساس بھی نہیں ہوتا۔" بیگم صاحب نے اخبار تہہ کیا اور ملازمہ کو آوی کے لیے فریش جوس لانے اندر بھیج دیا۔

"تمہارے ابا کے بارے میں سوچ رہی تھی۔ کیا معلوم انہوں نے زندگی میں کیا کچھ کرنے کا ارادہ کیا ہوا تھا' مگر بلاوا آ جائے تو کچھ نہیں ہوتا۔ سارے کام دھرے کے دھرے رہ جاتے ہیں۔" بیگم صاحب نے اخبار میز پر رکھا۔

"ویسے ابا جیسا شخص کبھی نہیں دیکھا۔ آپ کو ان کے ساتھ مل کر ابا کو یاد کرنے میں لطف آتا تھا۔"

"تمہارے ابا جیسے ایک اور شخص تھے۔ صدیقی صاحب۔ تمہارے ابا ہمیشہ ان کے سلجھے مزاج اور علم کی تعریف کرتے تھے۔"

"صدیقی صاحب وہ فلور ملز والے؟" آوی نے تصدیق کی۔

"ہاں وہی۔ کل ان کی بیوی اور بیٹی بھی آئی تھیں۔ بہت پیاری بچی ہے۔ ایم اے کر رہی ہے۔ بالکل اپنے خاندان کی طرح سلیقہ بھی ہے اور علم بھی۔ نوشین نام ہے۔" رونق جہاں مدعا پر آ گئیں۔

آوی کے جسم میں کانٹے چبھنے لگے۔ یعنی یہ محبت سے گفتگو' ابا کا ذکر۔ یہ سب ایک دکھاوا تھا۔ وہ ماں نہیں بنی تھیں۔ بلکہ ایک ماہر بزنس وومن کی طرح ماحول ترتیب دے رہی تھیں۔ جس میں ان کا پروپوزل رد نہ ہو سکے۔

"میں نے شادی کے متعلق سوچا نہیں اور ایک گھریلو' سلیقہ شعار لڑکی سے شادی کا ہرگز کوئی ارادہ نہیں۔" آوی کے لہجے میں کڑواہٹ تھی۔

"تو اب سوچ لو اور ارادہ بھی بنا لو کیوں کہ میں فیصلہ کر چکی ہوں کہ نوشین ہی اس گھر کی بہو بنے گی۔" رونق جہاں ضد میں بھی اس کی ماں تھیں۔

"میری زندگی کا فیصلہ میری مرضی سے ہوگا۔ آپ مجھے مجبور نہیں کر سکتیں۔" آوی کا لہجہ بلند ہو گیا۔

"یہ اہم نہیں کہ فیصلہ تمہاری مرضی سے ہو یا میری مرضی سے۔ اہم یہ ہے کہ اس فیصلے میں تمہارے ابا کی مرضی شامل ہے۔" رونق جہاں نے آوی کا حربہ اسی پر استعمال کیا۔

"تم اپنے ابا اور ان کی پسند کو اچھی طرح جانتے ہو۔ اپنی شریک حیات کا انتخاب کرتے ہوئے یہ سوچ لو کہ کس قسم کی لڑکی تمہارے ابا کی آئیڈیل بہو ثابت

ہو سکتی ہے۔ ایسی لڑکی جو اس گھر کو سنوار کر رکھے یا ایسی لڑکی جو ہمارے مذہب اور روایات سے ہی ناواقف ہو۔ تمہاری اپنے مرے ہوئے باپ کی خاطر یہ ذمہ داری ہے کہ ادب آداب کو خود سری اور بے ڈھنگے پن پر ترجیح دو۔" رونق جہاں کا تیر نشانے پر لگا تھا۔

"ابا کے لیے میری خوشی اہم ہوتی۔" آذی اپنی ماں کی معلومات بجاں کر مدھم لہجے میں بولا۔

"میرے لیے بھی تمہاری خوشی اہم ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ میں دور اندیش ہو کر دیکھ رہی ہوں کہ تمہاری دیرپا خوشی کس میں ہے اور کیا وقتی ابال لگی ہے۔ جس سے چند روز میں خود تمہارا سانس گھٹنے لگے گا۔ اگر تمہارے ابا ہوتے تو تمہیں بہتر طور پر قائل کر سکتے تھے۔ مجھے یاد ہے ایک دفعہ تم نے ہی کہا تھا ابا کا وجود نہ ہو کر بھی وہ ہم میں ہیں۔ ان کے فیصلے کا احترام ہم پر لازم ہے۔" رونق جہاں نے بات مکمل کی تو ان کی آنکھوں میں فتح کی چمک تھی۔

"میں نے صدیقی صاحب کو کہہ دیا ہے کہ اس جمعہ ہم ان کے گھر آئیں گے۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں اگر تم منگنی سے پہلے اس سے ملنا چاہو۔"

"شاباش بیٹا! جوس پی لو۔" رونق جہاں گلاس آذی کو تھما کر اندر چلی گئیں۔ اس اہم کام کے لیے انہوں نے آدھا گھنٹہ مقرر کیا تھا اور اب چالیس منٹ ہو چکے تھے۔

☼ ☼ ☼

ایک ہاتھ میں فون پکڑے اور دوسری مٹھی میں ایک خط تھامے اینش بے چینی سے اپنے پاؤں کے پنجوں پر جھول رہی تھی۔

"اس فرائیڈے کو میں مصروف ہوں — چاہ کر بھی نہیں مل سکتا۔" آذی نے فون کی دوسری طرف عذر پیش کیا۔

"ٹھیک ہے پھر ہفتہ یا اتوار کو کسی بھی دن آسکو۔" اینش نے ظاہر نہیں کیا کہ اسے ضروری بات کرنی ہے۔

"ٹھیک ہے فرائیڈے کے بعد کسی دن چکر لگاتا ہوں۔" آذی کے لہجے میں جھجک اس کی شرمندگی کی علامت تھی۔

اینش نے فون بند کر کے دوبارہ خط پر لگے غیر ملکی ٹکٹ کو دیکھا۔ اس کے پاس خط کا جواب دینے کے لیے محدود وقت تھا اور وہ آذی سے بات کرنے کے بعد ہی فیصلہ کرنا چاہتی تھی کہ کیا جواب دے۔

آذی اگلے ہفتے بھی اس سے نہ مل سکا۔ جس کی کچھ وجہ مصروفیت تھی مگر زیادہ اہم وجہ راز داری تھی۔ وہ اپنے گھر میں چلنے والے معاملے کی بھنک فی الحال اس پر نہیں پڑنے دینا چاہتا تھا۔ اس لیے سامنا کرنے سے پہلو تہی کر رہا تھا۔

ایک ہفتے بعد اینش نے دوبارہ فون کیا تو آذی اس وقت آفس میں نہیں تھا۔ اس لیے بات نہ ہو سکی۔ فون رکھ کر اینش نے بیگ اٹھایا اور پی سی او کا رخ کیا' اس کو بیرون ملک فون کرنا تھا' جو ہاسٹل سے نہیں کر سکتی تھی۔ اس نے خط کا جواب سوچ لیا تھا اور جواب لکھنے سے پہلے اس کو اپنی ممی سے بات کرنی تھی۔

☼ ☼ ☼

سورج کے طلوع اور غروب ہونے کے انتظار میں کتنی زندگیاں ابتدا سے اختتام کی مسافت طے کر لیتی ہیں۔ وہ پہاڑ بھی کئی ہستیوں کے عروج و زوال کے شاہد تھے۔ ان میں بسنے والی ایک اور زندگی بچپن سے جوانی کی مسافت طے کر چکی تھی۔ کبھی وہ ایک ننھا فرشتہ بن کر اس سنگدل زمین کو اپنے قدموں سے گدگداتی تھی۔ پھر بچپن کی جگہ الھڑپن نے لے لی۔ اب نوجوانی کے ساتھ اس کے مزاج میں ایک نخوت بھی آ گیا تھا۔

اس کے انداز کے ساتھ ساتھ اس کا حلیہ بھی دوسروں کو متوجہ کرتا تھا۔ بند جوتے اس لیے پہنتی تھی تاکہ قدم جما کر چل سکے۔ جینز کے پائنچے تو چیر کر دھاگے نکالے ہوئے تھے اور گھٹنوں کے اوپر دو تھیگلی ماڈرز سے کئی انگریزی کی شوخ عبارتیں اور نقش و نگار

بنا رکھے تھے۔ قمیص مہذب انداز میں پوری آستینوں والی پہنتی تھی۔ بالوں کی ایک لٹ کو گلابی اور نیلے دھاگے میں لپیٹ کر ڈیزائن بنایا ہوا تھا جو اس وقت فیشن تھا۔ ناخنوں پر کبھی کبھار تو بس سلور نیل پالش لگالیتی تھی۔ اس بے ترتیب سنگھار کے باوجود اس کی شکل و صورت پر معصومیت تھی اور بول چال میں تمیز اور رکھ رکھاؤ تھا جو اس کی اچھی تعلیم و تربیت کا عکاس تھا۔

بورڈنگ میں حسب روایت چھٹیاں ہوئیں تو خلاف توقع ماہم بھی رخت سفر باندھ کر تیار تھی۔ اس مختصر سفر کے لیے اس نے بے شمار تدبیریں کی تھیں۔ سب سے اہم اپنے گینگ کو منانا تھا۔

"سارہ! تم انکار کر کے اپنے ڈرپوک ہونے کا ثبوت نہ دو۔ تم تو اکیلے بیرون ملک کا سفر کر چکی ہو۔ ہم سب سے زیادہ تمہیں پبلک ڈیلنگ کا تجربہ ہے۔ تم انکار کرو گی تو میں سمجھوں گی تم ہمیں اپنے گھر مہمان بنانے کی روادار نہیں۔" سارہ کو اس نے دوستی کا واسطہ دے کر قائل کیا۔

شیریں اس آزاد و شاہانہ ماحول سے نکل کر اندرون سندھ اپنی روایتی حویلی میں جانے کے لیے زیادہ بے تاب نہیں تھی۔ اس کو ڈر تھا تو پکڑے جانے کا۔ ہادیہ کو قائل کرنا سب سے مشکل ثابت ہوا۔ ماہم نے اپنی بے چین چھٹیوں کی روداد سنائی اور صرف ایک ویک اینڈ ان کا تو دوستی نبھانے کو وہ بھی مان گئی۔ اگلا مرحلہ گھر والوں کو منانے کا تھا۔ سارہ نے روہانسی ہو کر ماں سے شکوہ کیا کہ جس دن اس کی چھٹیاں ہوں گی اسی دن وہ یورپ شوٹنگ پر جا رہی ہیں۔ گھر میں دو ہفتے تنہا رہنا اس کے ساتھ ناانصافی ہے۔ اس سے پہلے کہ ہیں کی لواکار رہ والدہ حل تجویز کرتیں، سارہ نے خود ہی فرمائش ظاہر کی کہ وہ ویک اینڈ پر سہیلیوں کو بلانا چاہتی ہے۔ شیریں اور ہادیہ نے بھی کچی جھوٹی روداد سنا کر اجازت لے لی۔ ماہم کے لیے اجازت روایتی عمل نہیں تھا۔ اس کو پہلے درخواست دینی پڑی۔ پرنسپل نے سارہ کی والدہ سے فون کر کے تصدیق کی پھر جا کر اجازت دی۔ اب وہ گاڑی میں بیٹھے چنڈی گڑھ کا رخ کر رہے تھے۔ یہ پہلا سفر تھا جو ماہم محض تفریح کے لیے کر رہی تھی۔ وہ سارہ کے گھر پلا پھلکا ناشتا کر رہے تھے جب سارہ کی ماما معذرت کرتے ہوئے ایئرپورٹ کے لیے روانہ ہو گئیں۔ شیریں اور ہادیہ نے اپنے والدین کو فون کر کے اطلاع دی اور کہہ دیا کہ وہ بار بار ان کو بچوں کی طرح فون کر کے شرمندہ نہ کریں۔ سارہ کی ماما جانے سے پہلے خرچے کے لیے رقم دے کر گئی تھیں۔ سارہ نے وہ لفافہ پکڑا اور ملازمین کو ضروری ہدایات دے کر اپنا ارادہ بتا لیا۔

اپنا اپنا بیگ دوبارہ گاڑی میں رکھتے ہوئے چاروں نے اپنے اصلی سفر کا آغاز کیا۔ ان کا رخ بھوربن کے فور اسٹار ہوٹل کی طرف تھا۔ جہاں وہ فیملی کے ساتھ تو کئی بار جا چکی تھیں۔ اب تنہا جا کر زندگی کا نیا تجربہ کرنا چاہتی تھیں۔ دو گھنٹے بعد چار شوخ اور چنچل لڑکیوں کا ٹولہ ہوٹل پہنچا اور قہقہے بے پروا قہقہوں سے رونق بکھیر دی۔

☼ ☼ ☼

"دریا کے قدرتی ماحول میں تیرنے والی مچھلی کو جب شیشے کے بے قیمتی بکس میں ڈال دیا جائے تو اس کو بھی ایسا ہی محسوس ہوتا ہوگا جیسے وہ محسوس کر رہا تھا۔" خضر سوئمنگ پول کے پاس بنچ پر بیٹھا بے تکی باتیں سوچ رہا تھا۔ اپر کلاس کے اس عالیشان ہوٹل میں وہ خود کو مس فٹ محسوس کر رہا تھا۔ مس فٹ رہنے کی اس کو عادت ہی ہو گئی تھی۔

سیالکوٹ میں وہ اپنے خاندان کے دوسرے لڑکوں کی نسبت پڑھائی میں بہت اچھا تھا۔ گلی کے کھیلوں میں وقت ضائع کرنے کے بجائے کتاب کو ترجیح دیتا تھا۔ اس لیے وہاں دوسروں سے الگ تھلگ نظر آتا تھا۔ میٹرک کے بعد لاہور آیا تو کالج میں وہ واحد لڑکا تھا جو پڑھائی کے بعد چھوٹی موٹی نوکریاں کرتا تھا۔ کیونکہ اس کے والد کی آمدن محدود تھی اور اس کے تین چھوٹے بہن بھائی بھی پڑھ رہے تھے۔ پل کام میں داخلہ لیا تو اردگرد کی دنیا ہی بدل گئی۔ اپر کلاس سے تعلق

رکھنے والے خاندانی رئیسوں میں اس جیسے دو چار ہی تھے، جو اسکالر شپ پا کر اس مہنگے ادارے کا حصہ بنے تھے۔ لیکن تعلیمی اداروں میں دوستی خیالات سے بنتی ہے اس لیے خضر اور اس کے دوستوں نے طبقاتی فرق ہمیشہ نظر انداز کیا تھا۔ کام کے بیچ سے کر فارغ ہوئے تو عملی زندگی میں قدم رکھنے سے پہلے ایک یادگار تفریح تو ان کا حق تھا۔ خضر تو برسوں سے عملی زندگی کے جھمیلوں کو نبٹا رہا تھا۔ اس لیے اس تفریح پر سب سے زیادہ حق اس کا تھا۔ اس نے ہامی بھرلی کیونکہ اس سمیت کسی بھی لڑکے کو کمرے کا کرایہ نہیں دینا تھا۔ اس کے ایک دوست کے والد کی کمپنی نے کچھ مہینے پہلے ایک بڑے درجے کی کانفرنس منعقد کروائی تھی جس پر ہوٹل والوں نے چند کمرے کمپلیمنٹری دیے تھے جن سے وہ فائدہ اٹھانے آئے تھے۔ خضر نے بیسویں بار اپنا بٹوا کھول کر دیکھا۔ بٹوے میں حسب ضرورت رقم موجود تھی۔ جو اس نے پارٹ ٹائم جاب کر کے جمع کی تھی۔ وہ محنت سے جوڑی ہوئی رقم ضائع نہیں کر رہا تھا بلکہ اپنے صبر کا پھل بٹور رہا تھا۔ اس لیے وہ تمام منفی خیالات کو جھٹک کر کھڑا ہو گیا۔ اب وہ کسی بھی چیز کو اپنی تفریح کے درمیان حائل نہیں ہونے دینا چاہتا تھا۔ اس نے بنچ سے اٹھ کر اپنی ٹانگیں اور بازو سیدھے کیے جو پانچ گھنٹوں کی مسافت سے اکڑ گئے تھے۔ اچانک ایک دبلی پتلی لڑکی اس سے آکر ٹکرائی اور وہ معذرت کرتا ہوا اس کے راستے سے ہٹ گیا۔ فرش کیپ پہنے لڑکی زمین کی طرف نظریں کیے جس تیزی سے آئی تھی اسی تیزی سے چلی گئی۔

"اوئے خضر! ادھر کیا کر رہا ہے۔" کسی دوست نے آواز دی۔ وہ سب شام کا پلان کر رہے تھے۔ خضر نے خنک ہوتے ہوئے موسم کے باعث ہاتھ جیب میں ڈالے تو خوشگوار موسم کے باعث بھی ماتھے پر پسینہ آگیا۔ اس کی جیب میں بٹوا نہیں تھا۔

"کیا ہوا یار؟" ایک دوست نے اس کا کندھا ہلایا۔

"میرا بٹوا نہیں ہے۔" خضر نے بے چینی سے ارد گرد دیکھا کہ شاید گر گیا ہو۔

"کوئی نہیں یار! فکر نہ کر ہم ہیں نا۔ پیسے کا کیا مسئلہ ہے۔ چھوڑ اسے۔ پریشان نہ ہو۔" اس کے دوستوں نے چند منٹ کی لاحاصل تلاش کے بعد اس کو تسلی دی۔

خضر جانتا تھا کہ اس کے دوست بغیر کہے اس کی تمام ضرورت کا خیال رکھیں گے اور جتائیں گے بھی نہیں مگر اس بٹوے میں اپنی انا اور خودداری جو لایا تھا، وہ تو گم ہو گئی تھی۔

خضر نے غصے سے دانت پیستے ہوئے اس دبلی پتلی لڑکی کے بارے میں سوچا، جس کی ٹوپی کی وجہ سے وہ اس کی شکل نہیں دیکھ پایا تھا۔

☆ ☆ ☆

ماہم کو کلاس کے بیچ میں آفس پہنچنے کے لیے کہا گیا۔ اس نے غیر ارادی طور پر اپنی آنکھ کے اوپر چوٹ کے نشان پر انگلی پھیری۔ تین مہینے سے اس نے کوئی قابل ذکر شرارت نہیں کی تھی۔ پھر یہ دعوت نامہ کیوں ملا۔ وہ اسی کشمکش میں آفس پہنچی۔ کمرے میں بائیں طرف سر جھکائے مہکی کھڑی تھی۔ قریب صوفے پر سادہ لباس میں اس کے خالہ خالو بیٹھے تھے۔

"ماہم! مہکی اسکول سے جا رہی ہے۔ آپ کی اس سے دوستی ہے اس لیے جانے سے پہلے مل لیں۔" پرنسپل اپنی کرسی پر بیٹھی کہہ رہی تھیں۔

"کیوں مہکی! تم کیوں جا رہی ہو؟" ماہم نے روتی ہوئی مہکی کو گلے لگایا۔

"کیوں کہ یہ چور ہے۔ اس نے میرا لاکٹ چرایا تھا۔" کمرے کی دائیں جانب ایک جانی پہچانی آواز نے جواب دیا۔ ماہم نے مڑ کر دیکھا۔ زینب ریحان ایک ہاتھ میں اپنا قیمتی لاکٹ لیے غصے سے کہہ رہی تھی۔

ماہم کی آنکھوں میں بھی انگارے دہکنے لگے۔ زینب ریحان جیسی لڑکیاں جن کے پاس گھر، پیار اور تحفظ ہوتا ہے وہ مہکی جیسی لڑکی کا غم کیسے جان سکتی تھیں۔

"میڈم یہ کوئی غلط فہمی ہے۔ مہکی چور نہیں ہے۔

زینب اس پر غلط الزام لگا رہی ہے۔" ماہم نے اس کی وکالت کی۔

"لاکٹ ہیکی کے سامان سے ملا ہے اور مجھے ہی ہم نے اس کے گارجین کو بلوالیا تاکہ فیصلہ سب کے سامنے ہو۔ ہمارے اسکول میں بہت اچھے خاندان کی لڑکیاں پڑھتی ہیں یہاں چوری کی کوئی گنجائش نہیں۔ اس لیے ریکا کو خارج کرنا واحد حل ہے۔"

ماہم نے غصے سے زینب کو گھورا۔"یقیناً" اس نے جان بوجھ کر لاکٹ ہیکی کے سامان میں رکھا ہوگا۔

"اس کا مطلب۔۔۔ خبک" ماہم کی نظریں چیخ چیخ کر کہہ رہی تھیں۔

یہ بات سب جانتے تھے کہ زینب اور ماہم کی ایک دوسرے سے نہیں بنتی۔ مگر ہیکی کے جانے کے بعد ان کی نوک جھونک شدید ہوگئی تھی۔ بات کلاس مباحثے میں مختلف نظریہ ہونے سے کہیں آگے بڑھ گئی تھی۔ ماہم نے زینب کے ٹی شرٹ جس پر میڈیا کے کئی معروف لوگوں کے دستخط ہوئے تھے اور جسے زینب کسی متاع عزیز کی طرح سنبھال کر رکھتی تھی۔ ایک دن اسمبلی گراؤنڈ میں جھنڈے کی جگہ کھمبے پر لہرا رہی تھی۔ کئی لڑکیاں اور ٹیچرز تجسس سے اس کو دیکھ رہے تھے۔

"کس کی شرٹ ہے۔" ٹی شرٹ اتروا کر ٹیچر نے غصے سے پوچھا۔

"مس میری ہے۔" زینب نے خفت سے اقرار کیا۔

"یہ اسکول ہے۔ مشہور ہونے کا مقابلہ نہیں کہ اپنے روابط سرعام نشر کیے جائیں۔" ٹیچر نے غصے سے ٹی شرٹ زینب کو تھمائی۔ اوس میں رہنے کے بعد اس کی سیاہی کافی پھیل گئی تھی۔ زینب نے روہانسی ہو کر اس میں ایک نیا اضافہ دیکھا اس پر لال رنگ سے ایک تین پتوں والا پھول بنا ہوا تھا۔ بالکل ماہم کی آنکھ کی چوٹ جیسا۔ جو ماہم نے بطور آٹو گراف دیا تھا۔

زینب پیر پٹختی ہوئی اپنے ڈورم تک چلی گئی۔

اس کا بدلہ زینب نے پروجیکٹ ڈے پر انفارمیشن منسٹر کے سامنے ماہم کو شرمندہ کرا کے لے لیا۔ جب ان کے ساتھ اسکول کے بورڈ آف گورنرز اور قریبی چرچ کے بشپ بھی مدعو تھے۔

یہ سلسلہ طول پکڑ گیا۔ ماہم نے زینب کے سرف میں کھجلی والا پاؤڈر ملا دیا اور زینب نے اس کے ملک پاؤڈر میں قبض کشا دوا۔

نتیجہ۔ دن دن بعد دونوں پرنسپل آفس میں کھڑی تھیں۔ جرم ثابت ہو گیا تھا بس سزا سنانے کی دیر تھی۔ پرنسپل کے علاوہ وہاں زینب کے والدین بھی موجود تھے۔

"بچیوں کی آپس کی لڑائی سے اگر ہم پہلو تہی کرتے ہیں تو اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ ہم حالات سے ناواقف ہیں بلکہ ہمارا مقصد یہ ہوتا ہے کہ بچیاں خود اپنے مسائل حل کرنا سیکھیں۔ مجھے اس بات سے کوئی سروکار نہیں کہ پہل کس نے کی۔ میری نظر میں دونوں کا قصور برابر ہے اور دونوں کو برابر کی سزا ملے گی۔" پرنسپل نے دو ٹوک کہا۔

"بغیر اجازت بولنے کی معافی چاہتی ہوں۔" ماہم نے نظریں جھکا کر کہا۔ "جس طرح اس کمرے کے افراد میں توازن نہیں اسی طرح ہماری سزا یکساں کیسے ہو سکتی ہے؟ زینب آپ کی دی ہوئی سزا کاٹنے کی اور اپنے والدین کے ساتھ گھر چلی جائے گی جبکہ میں مقدر کی سزا کاٹوں گی اور چھٹیوں میں بھی یہیں رہوں گی۔"

ماہم نے چند لمحے خاموش ہو کر دوبارہ بات شروع کی۔

"انصاف تو تب ہو جب زینب بھی ان چھٹیوں میں گھر نہ جائے اور سبق سیکھے کہ ہیکی جیسی لڑکیوں کی زندگی کتنی سخت ہوتی ہے۔" ماہم نے ادب سے کہا۔

کمرے میں مکمل سناٹا تھا اور زینب ہونق سی اپنے والدین کا منہ تک رہی تھی جنہوں نے ماہم کے مطالبے پر احتجاج نہیں کیا تھا۔ پرنسپل نے زینب کے والدین سے مشورہ کرنے کے لیے دونوں لڑکیوں کو باہر بھیج دیا۔ تھوڑی دیر بعد دونوں کو اندر بلا کر فیصلہ سنایا گیا۔

"بظاہر تم دونوں میں اختلاف رائے ہے اور

حقیقت میں تم ایک دوسرے کی زندگی کو سمجھنے سے قاصر ہو۔ انسان بعض اوقات کسی دوسرے کی آسودہ زندگی سے نالاں ہوتا ہے تو اکثر دوسرا اس انسان کی زندگی پر رشک کررہا ہوتا ہے۔ تم دونوں کو ایک دوسرے کو سمجھنے کی ضرورت ہے۔ ماہم! میں آپ کی بات سے قائل ہوں کہ آنے والی چھٹیاں آپ دونوں کو ساتھ گزارنی چاہئیں۔ زینب کے والدین آئے ہوئے ہیں مگر زینب یہاں نہیں رکے گی آپ زینب کے ساتھ اس کے گھر جائیں گی۔" پرنسپل نے فیصلہ سنادیا۔

کیا! نہیں! کیوں! کے اعتراض بلند ہونے لگے مگر پرنسپل نے ہاتھ اٹھا کر دونوں کو خاموش کرادیا۔

"فیصلہ حتمی ہے۔"

زینب اپنے والدین کے ساتھ کمرے سے باہر نکل گئی اور اس کے والدین اس کو فیصلے پر قائل کرنے لگے۔ ماہم نے بھی غصے سے سوجا ہوا منہ دروازے کی طرف بڑھایا تو پرنسپل نے روک دیا۔

"ماہم! ایسا ضروری نہیں کہ ہر انسان کی مجبوری اس کو بُرا انسان ہی بنائے۔ ربیکا آپ کی سہیلی تھی اس لیے آپ کے لیے اس کا نقص قبول کرنا مشکل ہے۔ مگر حقیقت یہی ہے کہ اس نے لاکٹ چرایا تھا۔" پرنسپل نے ماہم کو سوچنے پر مجبور کیا۔

☆ ☆ ☆

"چند ہفتوں میں لگتا ہے دنیا ہی بدل گئی۔ تم کیمرے کے بغیر ہو۔ منظر بہت ادھورا سا لگ رہا ہے۔" آدی اینش کو دیکھ کر خوش تھا۔ اس لیے شوخی سے چھیڑ رہا تھا۔

"اس ملک کی بہت تصاویر کھینچ لیں۔ اب تو بیرون ملک جاکر رول ضائع کروں گی۔" اینش نے سادگی سے کہا۔

"کہیں باہر جارہی ہو؟" آدی سینڈوچ کھاتے ہوئے رک گیا۔

"میرا امریکا کی بہت اچھی یونیورسٹی میں ایڈمیشن ہوگیا ہے۔ مجھے احساس ہے کہ یہ سفر مشکل ہوگا۔ مگر میں مشکلوں کی عادی ہوگئی ہوں۔" اینش نے رعایت لفظی کے تڑکے کے ساتھ کہا۔

"میں نے اتنے عرصے رابطہ نہیں کیا۔ اس بات کا غصہ نکال رہی ہو؟" آدی نے سنجیدگی سے کہا۔

"ہمارے درمیان ایسا کوئی رشتہ نہیں کہ ناراض ہو کر سزا سنائی جائے ورنہ شکوہ تو میں بھی کرسکتی ہوں کہ میری ذاتی زندگی کی تفصیل جان کر تم نے رابطہ ختم کردیا۔" اینش نے بھی دوٹوک کہا۔

"اوہ! تم یہ سمجھتی رہی ہو کہ تمہارے مذہب کو جاننے کے بعد میں پہلو تہی کرنے لگا ہوں۔ نہیں ہے۔ ایسا ہرگز نہیں ہے۔ مجھے اس بات سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔" آدی نے بے چین ہوکر وضاحت کی۔

"میں نے پہلی بار اپنا خول توڑ کر کسی کو اپنے وجود میں جھانکنے کی اجازت دی تھی۔ تمہارا ایک دم غائب ہوجانا اسی بات کا عکاس تھا؟" اینش اپنی عادت کے مطابق گلہ کررہی تھی۔

"میں مصروف تھا۔ گھر میں میری شادی کی بات چل رہی تھی۔ میں پہلے اس معاملے کو رفع دفع کرنا چاہ رہا تھا۔ تم سے پہلو تہی میری ناراضی نہیں۔ میری شرمندگی کے باعث تھی۔" آدی بھی خلاف عادت اپنے رویے کی وضاحت دے رہا تھا۔

"جب یونیورسٹی سے ایڈمیشن کا خط ملا تو میں نے تمہیں فون کیا۔ تم آفس میں نہیں تھے۔ میں نے بہت سوچا اور پھر مما کو کال کرکے اطلاع دی کہ میں ایڈمیشن لے رہی ہوں اور ان کے پاس آرہی ہوں۔" اینش نے بتایا۔

"واپس کب آؤگی؟"

"خانہ بدوش واپس نہیں آتے۔ آگے کہیں اور ٹھکانہ بنالیتے ہیں اور بہتر بھی یہی ہے کہ تم میری واپسی کی چاہ نہ کرو اور اپنی زندگی میں آگے بڑھ جاؤ۔ درحقیقت ہم دونوں ہی ایک دوسرے کے بارے میں سنجیدہ نہیں تھے اور اس تعلق کو آج نہیں تو کل ختم ہونا ہی تھا۔" اینش نے سمجھایا۔

"یعنی ہماری کہانی کا یہی انجام ہونا تھا؟" آدی نے

بوجھل لہجے میں پوچھا۔

"ہماری کوئی کہانی نہیں تھی۔ بس اتفاقات کی ایک لڑی تھی۔ دل بہلاتے ہوئے دل لگالینا بے وقوفی ہوتی ہے۔"

"کچھ لوگ اسے محبت بھی کہتے ہیں۔"

ایشل اپنے اطراف ایک دائرہ کھینچ کر آئی تھی جس سے وہ آگے نہیں بڑھنا چاہتی تھی۔

"ان باتوں کو چھوڑو۔ ممکن ہے یہ ہماری آخری ملاقات ہو۔ آج مجھے تمہاری گاڑی چلانی ہے۔ خدا معلوم مستقبل میں تم جیسا امیر لڑکا ملے نہ ملے۔" ایشل نے پہلے سا انداز کرنے کی ادھوری کوشش کی۔

آذی نے چابی بڑھائی اور ایشل چابی لے کر ریسٹورنٹ سے باہر نکل گئی۔ آذی بھی بل ادا کر کے پیچھے آگیا۔

"مجھے فوٹو گرافی پڑھنی تھی مگر وہ فائن آرٹس کے ساتھ پڑھ سکتے ہیں یا صحافت کے ساتھ تو پہلے میں صحافت پڑھوں گی پھر۔" ایشل ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھتے ہی تیزی سے بولنے لگی۔

"تم جانتی ہو تمہارا مسئلہ کیا ہے؟" آذی نے اس کی بات کاٹ دی۔ "تمہیں ابتدا میں کسی نے سمجھا نہیں۔ اس لیے تم نے اپنے آپ کو ایک خود ساختہ خول میں جکڑ لیا تاکہ آئندہ بھی کوئی تمہیں جان نہ سکے۔ تمہیں خوف ہے کہ اگر کوئی جان لے گا کہ تم بھی جذبات رکھتی ہو تو تمہیں روند کر چلا جائے گا۔"

ٹھہری ہوئی گاڑی میں چند لمحوں کا سکوت آیا۔

"تمہاری زندگی میں کسی نے قدر نہیں کی تو یہ تمہاری خامی نہیں ان کا نقصان ہے۔ تم تعلقات سے بے گانہ رہ کر خانہ بدوش سی زندگی گزارنے کی خواہاں ہو۔ مگر در حقیقت تم جس راہ سے بھی گزر آئی ہو لوگوں کے دل میں گھر کر لیتی ہو اور یہی تمہارا مقام ہے۔"

آذی نے گھما پھرا کر اپنے ہی دل کا حال بتایا۔

"تم پہلے شخص نہیں ہو جس نے میرا تجزیہ کر کے مجھے سمجھنے کا دعوا کیا۔" ایشل نے مٹھی میں مضبوطی سے گاڑی کی چابی پکڑ رکھی تھی اور خلاف عادت نظر جھکا رکھی تھی۔

"میں کوئی دعوا نہیں کر رہا۔ میں صرف اتنا جانتا ہوں کہ جب میں نے تم سے رابطہ نہیں کیا تو تم رات کو بے چین رہتی تھیں۔ جب سالوں کی ضد کے آگے گھٹنے ٹیک کر اپنی ماں کو فون کیا تو واپس آ کر تم خوب روئی ہو گی۔ آج جب میں نے اتنے دنوں کے بعد رابطہ کیا تو چاہتے ہوئے بھی تم غصہ نہیں کر سکیں اور میرا پسندیدہ رنگ پہن کر میرے سامنے آگئیں۔ کئی مدت بعد تمہارے وجود کا خول ٹوٹا ہے اور اس بار کوئی تمہارے دل میں گھر کر گیا ہے۔ اپنی لمبی چوڑی باتوں سے تم یہ ظاہر کرنا چاہتی ہو کہ تمہیں میری ملنے ملنے اور اپنے جانے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ مگر جتنا وقت تمہیں گاڑی اسٹارٹ کرنے میں لگ رہا ہے' اس سے صاف ظاہر ہے تم بھی چاہتی ہو کہ میں تمہیں روک لوں۔" آذی کی نظر اس کے چہرے پر جمی ہوئی تھی۔

ایشل کی گرفت ڈھیلی پڑ گئی اور چابی اس کے ہاتھ سے چھوٹ گئی۔ یہ اس کا گھبرانے کا انداز تھا۔

"ایسی باتیں نہ کرو۔ یہ ہمیں مشکل میں ڈال دیں گی۔" ایشل نے لاچاری سے کہا۔

"اگر ہم اس وقت جدا ہو گئے تو کیا ساری عمر مشکل میں نہیں رہیں گے؟"

"ہمارے پاس دوسرا کون سا راستہ ہے؟ اگر میں باہر جانے کا ارادہ ترک بھی کر دوں تو کیا ہم شادی کر لیں گے؟ ہمیشہ ساتھ رہیں گے؟ ایسا اتنی آسانی سے ممکن نہیں۔ مجھے اپنے خاندان کی پروا نہیں مگر تمہاری فیملی کبھی بھی یہ شادی نہیں ہونے دے گی۔ مذہب' روایات' بے باکی... کس کس چیز کی وضاحت کرتی پھروں گی میں۔" ایشل قسمت پر برہم تھی۔

"میں جانتا ہوں سب آسان نہیں۔ ممکن ہے ہمیں انہیں منانے میں بہت وقت لگ جائے۔ مگر مجھ میں اسٹینڈ لینے کا حوصلہ ہے۔" آذی نے اسے یقین دلایا۔

"کچھ عرصے بعد وہ تمہاری ضد کے آگے گھٹنے ٹیک

بھی دیں تو ان کے دلوں میں جگہ بناتے مجھے ساری عمر لگ جائے گی۔"

"تمہیں میرے دل میں جگہ ملے گی کیا یہ کافی نہیں ہے؟"

"تمہارے دل میں تو میرے لیے جگہ ابھی بھی ہے۔ ہم ابھی فیصلہ کرتے ہیں۔ اسی وقت کورٹ میرج کرو گے؟" انیش کے لہجے میں چیلنج تھا۔ جیسے ایک جھٹکے میں اس کے تمام سہو عروس کو آزمانا چاہتی ہو۔ جواب میں توی کچھ بول نہ سکا۔

"دیکھا۔ یہ اس قدر آسان نہیں۔" انیش نے جتایا۔

"میں تمہیں تمہارا ہر جائز حق دینا چاہتا ہوں۔"

"اپنی زندگی کو آگے بڑھانا میرا جائز حق ہے۔ مجھے ایک نامختہ وعدے کی نذر کرکے تم میرا یہ حق سلب کرو گے۔"

"میں تمہیں کیسے جانے دوں۔ پچھلے مہینے کی دوری میں ایک بات میں نے سمجھی ہے کہ تمہارے بغیر زندگی کیلنڈر پہ درج تاریخوں سے زیادہ کچھ نہیں۔ مجھے لوصورامت کرو۔"

"پھر مجھے اپنا لو۔" انیش آر یا پار ہونا چاہتی تھی۔

"کورٹ بند ہونے میں چالیس منٹ ہیں۔ اگر ان چالیس منٹ میں ہم کورٹ پہنچ گئے تو ابھی شادی کرلیں گے۔ ورنہ یہ ہماری آخری ملاقات ہوگی۔" انیش نے کسی جواب کا انتظار نہیں کیا۔ چابی اٹھا کر گاڑی اسٹارٹ کی اور فل اسپیڈ میں بھگانے لگی۔

توی کے لیے یہ تعلق اس تیز رفتار گاڑی کی طرح تھا' جس کو سمجھنے کا موقع نہیں ملا اور جب ملا تو گویا گاڑی چھوٹنے والی تھی کہ وہ اس طرح چند منٹوں میں شادی نہیں کرنا چاہتا تھا مگر وہ انیش کو جانے بھی نہیں دے سکتا تھا۔ وہ سخت اضطراب کا شکار تھا۔ گاڑی لڑکھڑانے لگی تو توی نے اپنے ہاتھ سے اسٹیرنگ وہیل کی سمت درست کی۔ دوبارہ انیش کا ہاتھ نہیں لڑکھڑایا اور وہ حوصلے سے گاڑی دوڑاتی رہی۔ دونوں کے دل کا ایک حصہ خواہش مند اور دوسرا خوفزدہ تھا۔

دونوں نے اپنا فیصلہ قسمت کے سپرد کردیا تھا۔

☼ ☼ ☼

"ڈریکینگ اسٹریا فتہ قیدی کا سلام۔ اس کشادہ اور پر آسائش جیل میں تین اور حصہ دار ہیں۔ ان میں اول نمبر ایک بلیو ٹوتھ ڈیڈ ہیں۔ جو ڈرائنگ روم سے کچن تک کان میں بلیو ٹوتھ لگا کر ظاہر کرتے رہے کہ پاکستان کی تجارت ان ہی کے کندھوں پر ہے۔ دوم ایک لان ڈیزائنر ماما ہیں۔ جن کو لان پر نمبر زبانی یاد ہوتے ہیں۔ جن کا ورزی اسپیڈ ڈائل پر ہوتا ہے اور عام خواتین کی طرح انہیں ماسٹر صاحب نہیں بلکہ اس کا نام لینے کو ترجیح دیتی ہیں۔ سوم ایک تلی فون بھائی ہے جو ویڈیو گیم انٹرنیٹ پہ وقت ضائع کرتا ہے اور فاسٹ فوڈ کا مل کے کھاتا ہے۔"

ماہم نے زینب کی فیملی کا نقشہ بڑھا چڑھا کر پیش کیا۔ وہ باقاعدگی سے اپنی سہیلیوں کو اسی تمثیل کرکے اپنے شب و روز سے آگاہ رکھتی تھی۔

چھٹی کے دن وہ سب لوگ مل کر لنچ کرتے تھے۔ پہلے روز ماہم میز پر پہنچی تو زینب نے رو کے بنا سے ملازمہ کو آواز دے کر تصدیق کی کہ "کسی" نے کھانے میں ملاوٹ تو نہیں کی؟ پھر اپنے والدین کے ٹوکنے پر اس نے ذومعنی طعنے دینا چھوڑ دیے۔ مگر وہ اپنا سارا دن اپنے کاموں میں مگن رہ کر گزارتی تھی اور ماہم سے زیادہ بات نہیں کرتی تھی۔ زینب کی ماما مہمان نواز خاتون تھیں۔ وہ ماہم کو اپنے بچوں سے زیادہ توجہ دیتیں اور کوشش میں لگی رہتیں کہ ماہم زیادہ وقت گیسٹ روم سے باہر گزارے۔ مگر ماہم کا مختصر تجربہ اس بات کا شاہد تھا کہ کسی کی بھی توجہ دیرپا نہیں ہوتی اس لیے وہ خوبصورتی سے اپنی راہ الگ ہی رکھتی۔

اسے آئے ہوئے تقریباً" ہفتہ ہوچکا تھا' زینب باقاعدگی سے اپنی کزن کے گھر جارہی تھی' جس کی عنقریب شادی تھی۔ کھانے کے بعد زینب تیار ہونے اٹھی تو فوزیہ نے قریب جاکر آہستگی سے اسے ماہم کو ساتھ لے جانے کو کہا۔

"ملا! آپ جانتی ہیں ناہ کتنی شرارتی ہے۔ کوئی تماشا کر دے گی۔ میں اس کو شادی پر لے جاؤں گی۔
ابھی نہیں۔ میری چھٹیاں تو خراب نہ کریں۔" زینب نے ضد کے انداز میں انکار کیا۔ فوزیہ کی تمام احتیاط کے باوجود ماہم نے یہ مکالمہ سن لیا اور منہ بسورتی میز سے اٹھ گئی۔ وہ کون سا اس کی کزنز سے ملنے کے لیے مری جا رہی تھی۔ فوزیہ آنٹی نے اسے بھی جانے سے منع کر دیا۔ وہ تلملاتے ہوئے اپنے کمرے میں چلی گئی۔

"یا ہو... میں پھر جیت گیا۔" لاؤنج میں دانیال تیز آواز میں ویڈیو گیم لگا کر بیٹھا تھا۔

"ایسا ہی ہوگا اگر مشین سے مقابلہ کرو گے۔" ماہم نے گزرتے ہوئے تبصرہ کیا۔

"میرا ریکارڈ بہت اچھا ہے۔ زینب سے ہمیشہ جیتتا ہوں۔" دانیال نے جتایا۔

"زینب کو ہرانا کیا مشکل ہے۔" ماہم نے بے خیالی میں چیلنج دے دیا اور دانیال نے خوشی سے قبول کر لیا۔ پھر دونوں مقابلہ بازی پر اتر آئے۔ دو تین کھیل کے بعد ماہم کی گرفت بھی مضبوط ہو گئی اور گھنٹہ بھر میں دونوں گیم پر تبصرہ کرتے ہوئے اتنے مگن ہو گئے کہ اس بات سے بے نیاز ہو گئے کہ کون زیادہ جیتا کون زیادہ ہارا۔

"مان گئے ماہم آپا! آپ ایک مضبوط لڑکی ہیں۔" ایک گیم ہارنے کے بعد دانیال نے اعتراف کیا۔

"میں آپ کو آپا کہہ سکتا ہوں نا۔ زینب کہنے ہی نہیں دیتی کہتی ہے عجیب لگتا ہے۔" دانیال نے ماہم کے یک دم خاموش ہونے پر پوچھا۔ جواب میں ماہم نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"زینب تم نے آج پھر بال اسٹریٹ کر لیے۔ کتنے روکھے ہو گئے ہیں۔ روز روز آئرن کرنا صحیح نہیں ہے۔" ایک گھنٹے بعد زینب کمرے سے نکلی تو فوزیہ کا دھیان زینب کے بالوں کی طرف گیا۔

"ماہم آپ کے بال بھی کتنے خراب ہو رہے۔ چلو پہلے آپ کے تیل لگا دوں۔" فوزیہ نے بغیر اجازت ماہم کے بالوں میں ہاتھ پھیرا۔ "اف آپ کو کٹوانے کی بھی ضرورت ہے دو موئے ہو رہے ہیں۔" فوزیہ کے تبصرے پر ماہم اٹھ کھڑی ہوئی۔

"میرے بال ہیں میں جیسے مرضی رکھوں۔" ماہم برا مان کر کمرے میں چلی گئی۔

"دیکھا ماما! یہ کتنی بد تمیز ہے۔ آپ ایسے ہی اس کو منہ لگاتی ہیں۔ میرے تیل لگا دیں۔ بورڈنگ کا کھانا کھا کر حشر ہو گیا ہے۔ ظاہر ہے جو اندر جائے گا وہی باہر نکلے گا۔" زینب نے کہا۔

"یہی میرا کہنا ہے۔" فوزیہ نے آہستگی سے مالش شروع کر دی۔ "اتنے سالوں سے ماہم کے اندر جو کچھ گیا ہے وہی باہر آ رہا ہے۔" فوزیہ کے الفاظ اور مالش سے زینب کا ذہن ٹھنڈا ہونے لگا۔ ندامت نے اسے گھیر لیا۔

کچھ دیر بعد زینب نے گیسٹ روم پر دستک دی۔ ماہم منہ پھلائے بیٹھی تھی۔

"میں معذرت کرنے آئی تھی کل میں تم سے زیادہ ہی کرخت ہو گئی تھی۔" ماہم کے لیے یہ الفاظ غیر متوقع تھے۔

"مجھے لگا تھا کہ تم یہاں آ کر مجھے اور میری فیملی کو خوب ستاؤ گی مگر تم تو خاموش ہو گئی ہو۔" زینب چند لمحوں کے وقفے کے بعد بولی۔

"میں ہمیشہ سے جانتی تھی کہ میری زندگی میں کمی ہے۔ بہت بڑی کمی مگر یہاں آ کر میرا ذہن بار بار اس کمی کی وجوہات کریدتا ہے۔ میرے والدین مر چکے ہیں مگر کبھی نہ کبھی تو تھے۔" ماہم کے دل میں سالوں کا غبار بھرا ہوا تھا۔ زینب حوصلے سے اس کو سنتی رہی اور ماہم اپنی سوچوں کو لفظوں میں ڈھالتی رہی۔

"تمہیں تبدیلی کی ضرورت ہے۔" زینب نے مشورہ دیا۔

"اس سے بڑی تبدیلی؟" ماہم نے پوچھا۔

"یہ ماحول کی تبدیلی ہے اب ذات کی تبدیلی کا وقت ہے۔ کل ہم شاپنگ پر چلیں گے۔ مجھے بھی شادی کے لیے کپڑے بنوانے ہیں۔ تم بھی جینز اور شرٹ کے علاوہ کچھ لینا۔ دیکھنا بہت مزا آئے گا۔"

اگلے روز زینب کی بات سچ ثابت ہوگئی ماہم کو پہلے ایسا کوئی تجربہ نہیں ہوا تھا۔ فوزیہ آنٹی کا تجربہ اور زینب کے مشورے سے ماہم کی وارڈروب میں کئی روایتی کپڑے شامل ہوگئے۔ پھر پارلر میں مختلف قسم کے تجربوں سے ماہم کا پالا پڑا تو وہ چکرا کر رہ گئی۔ جب آئینہ دیکھا تو لگا جیسے طوفانی بارش کے بعد منظر نکھر گیا ہو۔ اب شیشے میں ایک باوقار 'مچور لڑکی نظر آئی تھی' جس کے بالوں اور ناخنوں پر کوئی مصنوعی آرائش نہیں تھی۔ شلوار قمیص اور دوپٹا ایسا تھا جس پر لکھا نہیں جاسکتا تھا۔ چہرے پر اب بھی پہلے جیسا بھولپن تھا۔

واپسی پر ریحان انکل نے بھی اسے سراہا۔ فوزیہ دونوں کی دوستی میں اپنی کامیابی دیکھ رہی تھیں۔

"ڈیڈ! میں سوچ رہی ہوں فیشن ڈیزائنر بن جاؤں۔ مجھ میں آرٹسٹک سینس ہے۔ یہ کام میرے لیے بہترین ہے۔" زینب نے کہا۔

"ماہم! آپ پڑھائی میں بہت اچھی ہو۔ آپ نے کیا کرنا ہے؟" ریحان نے شفقت سے پوچھا۔

"میں میڈیکل فیلڈ میں ہی جانا چاہتی ہوں۔ ڈینٹسٹ بننے کا ارادہ ہے۔ کوشش کروں گی کہ میرٹ پر ایڈمیشن ہوجائے ورنہ میں افورڈ نہیں کرسکتی۔"

"آپ کی یہاں فیس کون دیتا ہے؟"

"ہمارا مشنری اسکول ہے۔ ان کے اسکالر شپ پروگرام ہیں۔ میں ہمیشہ سے اسکول کے فنڈز پر پڑھتی رہی ہوں۔" ماہم کو وضاحت میں عار محسوس نہیں ہوا۔

"آپ کا مذہب؟" ریحان نے دانستہ جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔

"میں مسلمان ہوں۔ بچپن سے ہی چھٹیوں میں قرآن اور نماز سیکھنے استانی کے پاس جایا کرتی تھی۔" ماہم کو اپنے مذہب پر سوال اچھا نہیں لگا۔ جواب میں ریحان صاحب نے اپنی عینک کے فریم کے اوپر سے ماہم پر ایک کڑی نگاہ ڈالی جیسے تعین کررہے ہوں کہ وہ جھوٹ بول رہی ہے یا نا واقف ہے۔ پھر آہستگی سے بولے۔

"اسکول فنڈز پر اسکالر شپ صرف عیسائیوں کو ملتی ہے مسلمانوں کو نہیں۔"

"مجھے ہمیشہ سے ملتی رہی ہے۔" ماہم نے ہنس کر غلط فہمی دور کرنا چاہی۔

"نہیں بیٹا! میں نے زینب کے داخلے سے پہلے تمام معلومات لی تھیں۔ اسکول بورڈ کسی غیرعیسائی کو اسکالر شپ نہیں دیتا۔" ریحان کو معلوم ہوگیا تھا کہ ماہم کے داخلے کے پیچھے کوئی بہت بڑی سفارش اور اس سے بھی بڑی امداد تھی' جس کے باعث اسکول نے ایک ایسی بچی کو لے لیا تھا جس کا پیچھے کوئی گھر خاندان نہ تھا۔

"مطلب؟" ماہم کا ذہن سن ہوگیا تھا اور وہ سمجھ نہیں پارہی تھی۔ یہاں تک کہ دانیال نے بھی کھانے سے ہاتھ روک لیا تھا۔

"ڈیڈ کا مطلب ہے کہ اگر آپ عیسائی نہیں ہو تو آپ اسکالر شپ پر نہیں پڑھ رہیں۔ کوئی ہے جو اتنے سالوں سے آپ کی فیس بھرتا رہا ہے۔" دانیال نے اپنے تئیں گتھی سلجھائی۔

"شٹ اپ دانیال!" زینب نے ماہم کا اڑتا ہوا رنگ دیکھ کر ڈانٹا۔

☼ ☼ ☼

آفس کے ویٹنگ ایریا میں بیٹھی وہ اپنے بے ترتیب خیالوں کو یکجا کررہی تھی۔ اس کے سامنے دائیں جانب استقبالیہ پر بھاری جسم والی لڑکی بیٹھی فون ریسیو کررہی تھی اور بائیں جانب دوہرے شیشے والا داخلی دروازہ تھا جو ایک جانب سے آئینہ نظر آتا تھا اور دوسری جانب سے شیشہ تھا۔ اس کے خیالات اس کے اندر کبھی غصہ' کبھی تجسس تو کبھی تاسف جگا رہے تھے۔ انتظار کرتے ہوئے بیس منٹ ہوئے تو اس نے ملنے کا ارادہ ترک کردیا۔ جب اس کو ایک فالتو پرزے کی طرح الگ کردیا گیا تھا تو اس کی انا کو بھی بے معنی رشتوں کا تعاقب گوارا نہیں تھا۔ اسی لیے داخلی دروازہ کھلا اور ماہم کو آئینے میں اپنا عکس نظر آیا اور دوبارہ

کرسی میں دھنس گئی۔ یہاں سوال رشتوں کا نہیں، بلکہ شناخت کا تھا۔ آئینے میں نظر آنے والا عکس نامکمل تھا اور وہ کسی دوسرے کی نہیں، اپنی خاطر صرف یہ جاننا چاہتی تھی کہ اب تک کون پس پردہ اس کی معاشی مدد کر رہا تھا۔

پہلے تو یہ انکشاف اس کے لیے ناقابل یقین تھا کہ کوئی شخص اس کی مالی مدد کر رہا ہے۔ پھر یقین آیا تو غصے نے اس کے اعصاب کو جکڑ لیا اور اس نے تہیہ کیا کہ وہ اس شخص سے کوئی رابطہ نہیں کرے گی۔ فائنل امتحان کے بعد اس کا ٹھوس ارادہ ڈھیلا پڑ گیا۔ اس نے اسکول ریکارڈ سے معلوم کیا تو کوئی نام یا کوئی پتا اس کے ہاتھ نہ لگا۔ صرف ایک بینک اکاؤنٹ نمبر تھا جس سے ماہم کی فیس ادا ہوتی تھی پھر کسی نے ماہم کے نام سے اکاؤنٹ کھلوا کر اس میں باقی رقم جمع کروا دی تھی کہ وہ بورڈنگ سے نکل کر آگے کہیں داخلہ لے سکے۔ ماہم سمجھتی رہی تھی کہ یہ اکاؤنٹ اسکول بورڈ نے اپنی آسانی کے لیے کھلوایا ہے، جس کو ماہم خود چلا سکے۔

زینب اب اس کی بہترین سہیلی تھی جاتے ہوئے انہیں صرف اچھی باتیں یاد تھیں، جبکہ ماہم کے لیے وہاں سے جانے کا خیال ہی سوہان روح تھا۔ پہلے وہ خود کو قیدی سمجھ کر وہاں رہتی تھی مگر پھر احساس ہوا وہ در و دیوار تو اس کے محافظ ہیں، جنہوں نے دنیا کی ٹھوکروں سے اسے بچائے رکھا ہر رشتے سے بڑھ کر اس کو سہارا دیا تھا، اسے ایسا بنایا کہ معاشرے میں سر اٹھا کر چل سکے۔ جس دن اس نے رخت سفر باندھا۔ آسمان سیاہ ہو گیا اور خوب برسا جیسے اس کو روکنا چاہتے ہوں مگر اس کو جانا تھا، سو وہ نہ رکی۔

پچھلی رات وہ چمڑے کے اس بٹوے کو تھام کر بیٹھی تھی جو اس نے ہوٹل میں ایک لڑکے کی جیب سے نکالا تھا۔ اس بٹوے میں جو رقم تھی وہ اس نے خرچ کر لی تھی اب اس میں ایک اسٹوڈنٹ کارڈ تھا اور ایک جنرل اسٹور کی رسید۔ اس کو خود میں اور اس بٹوے میں کوئی فرق نظر نہیں آیا۔ وہ بھی اپنے اصل سے بچھڑ گیا تھا اور ماہم بھی۔ فرق صرف یہ تھا کہ ماہم جان دار تھی اس لیے ماہم آج اس آفس میں بیٹھی تھی۔

"آپ اندر جا سکتی ہیں۔" استقبالیہ پر بیٹھی لڑکی نے ماہم کو مخاطب کیا۔

"جی کہیے کیا کام ہے؟" موٹی توند والے افسر نے ادب سے پوچھا۔

"مجھے اس بینک اکاؤنٹ کے بارے میں معلومات چاہئیں۔" ماہم نے ایک کاغذ پر لکھا نمبر افسر کے سامنے رکھا۔

"بینک سے معلوم ہوا ہے کہ یہ اکاؤنٹ اس کمپنی کے نام تھا، جو تین سال پہلے بند ہو گیا تھا۔ اس اکاؤنٹ سے پچھلے کئی سالوں سے میری فیس ادا ہوتی رہی ہے اور بند ہونے سے قبل ایک بھاری رقم میرے اکاؤنٹ منتقل کی گئی تھی۔" ماہم نے اسکول سے حاصل کیے ہوئے کاغذ افسر کو دکھائے۔

"دراصل مالکوں کے اخراجات اور ان کے بچوں کی فیس تو کمپنی اکاؤنٹ سے ہی ادا ہوتی ہے۔ یہ جو اکاؤنٹ ہے اس سے سینئر اسٹاف کو جو مراعات ملتی ہیں ان کی ادائی ہوتی تھی جیسے میڈیکل وغیرہ۔" افسر نے وضاحت کی۔

"میں صرف اس شخص کے بارے میں جاننا چاہتی ہوں جس کو مراعات کی مد میں یہ رقم ادا ہوتی۔" ماہم نے کہا۔

"اکاؤنٹ تو بند ہو چکا ہے، مگر ہمارے پاس ریکارڈ موجود رہتا ہے۔ آپ اکاؤنٹس ڈپارٹمنٹ میں چلی جائیں۔ میں جونیئر اکاؤنٹنٹ کو کہہ دیتا ہوں آپ کی مدد کرے۔"

ماہم نے میز پر موجود کاغذ سمیٹے اور افسر کی بتائی ہوئی سمت چل پڑی۔ اس کی دل کی دھڑکن بے چین ہو گئی تھی جیسے الٹی گنتی گن رہی ہو۔ ڈپارٹمنٹ میں جونیئر اکاؤنٹنٹ کی میز پر پہنچ کر ایک دم اس کی دھڑکن رک گئی۔ ماہم کو لگا جیسے بٹوے میں موجود اسٹوڈنٹ کارڈ کی تصویر کو اس نے اس قدر سر پر سوار کر لیا ہے کہ میز کے پیچھے بیٹھا نوجوان لڑکا ہو بہو اسی شکل کا لگ رہا ہے۔

"مظفر جاوید؟" ماہم نے لڑکھڑاتی زبان سے تصدیق

چلا گیا۔

"تیس میں ہی خضر ہوں بیٹھیں۔" اس کو افسر کا فون موصول ہوچکا تھا۔

ماہم اب تک بے ڈھنگے انداز میں اس کی صورت گھور رہی تھی۔

"اکاؤنٹ نمبر بھیجیے۔" خضر مہذب انداز میں مخاطب ہوا۔ ماہم نے تمام کاغذات کی فائل اس کی طرف بڑھادی۔

"صرف اکاؤنٹ نمبر۔" خضر نے آہستگی سے ایک کاغذ الگ کیا اور معذرت کرتے ہوئے اٹھ گیا۔

تو گویا یہ گمشدہ چیزوں کے ملنے کا دن تھا۔ شرارت میں کی ہوئی اس حرکت پر ماہم کو شدید شرمندگی ہو رہی تھی۔ انتظار کے ان لمحات میں بھی اسٹوڈنٹ کارڈ پر موجود اس لڑکے کا نام' تاریخ پیدائش اس کے گرد گھومنے لگے تو کبھی بورڈنگ اسکول میں لکھے اپنے ادھورے کوائف اس کا منہ چڑانے لگتے۔

"آپ کی طبیعت ٹھیک ہے۔" خضر آیا تو اس کی پیلی پڑتی رنگت دیکھ کر گھبرا گیا۔ ہاتھ میں موجود فائل اس نے میز پر رکھی اور ڈسپنسر سے ایک گلاس پانی کا بھر لایا۔

"یہ لیں۔" ماہم گھونٹ گھونٹ کرکے پانی حلق میں اتارنے لگی۔

"اب آپ بہتر ہیں؟"

"جی میں ٹھیک ہوں۔" ماہم نے ایک بار پھر اپنے وجود کو اکٹھا کیا۔

خضر نے فائل کھولی۔ اس میں چار سے پانچ صفحات پر مشتمل کئی واؤچرز تھے۔ اس نے ایک واؤچر ماہم کے سامنے رکھا اور ایک نام پر انگلی پھیری۔

"یہ اس کمپنی کے شروع کے لوگوں میں سے تھے' جنہوں نے اس کو بڑھتے ہوئے دیکھا۔ یہ فیس ان کے توسط سے ادا ہوتی تھی۔" خضر بتانے لگا۔ ماہم نے کئی بار اس انجان نام کو پڑھا مگر ذہن میں کوئی گھنٹی نہ بجی۔

"یہ اب کہاں ہیں؟" ماہم نے عجلت میں پوچھا۔

"تین سال پہلے اپنی ریٹائرمنٹ سے پہلے انہوں نے اس اکاؤنٹ سے آخری بار آپ کے اکاؤنٹ میں رقم جمع کروائی اور پھر اکاؤنٹ بند کردیا گیا۔" خضر نے ایک اور صفحے پر انگلی رکھی۔

"کیا میں ان سے مل سکتی ہوں؟" ماہم بے صبری ہو رہی تھی۔

"کمپنی ریکارڈ میں ہر واؤچر میں یہی درج ہے کہ وہ اپنی بچی کی فیس ادا کررہے ہیں۔" خضر نے ڈرامائی انداز سے کہا۔ ماہم کی دھڑکن ایک بار پھر تیز ہو گئی اور خون کی گردش سے اس کا جسم سن ہو گیا۔

"ان سے ملنے کے لیے کیا کرنا ہوگا؟"

"دو سال پہلے ان کی ڈیتھ ہو چکی ہے۔"

ماہم ایک بار پھر بکھر گئی۔ اس نے چہرہ جھکالیا جیسے واؤچر پڑھ رہی ہو مگر در حقیقت وہ اپنے آنسو چھپا رہی تھی۔ تو بھٹکنا ہی اس کا مقدر تھا۔ وہ نہ تو گریبان پکڑ کر اس شخص سے اپنا قصور پوچھ سکتی تھی اور نہ دامن تھام کر اپنا حق مانگ سکتی تھی۔ اس کی زندگی کی حقیقت مٹی تلے دفن ہوچکی تھی۔ اس کے ہاتھ میں بس کچھ رسیدیں تھیں' جو اس کے ہر حق کی نفی کرتی تھیں گویا پیسے سے رشتوں کا تاوان ادا ہو گیا ہو۔

خضر نے آہستگی سے ایک تہہ شدہ ٹشو پیپر اس کے ہاتھ پر رکھا' جہاں اس کے آنسو ٹپکے تھے۔ اس لمحے ماہم کو احساس ہوا کہ وہ کتنی کمزور دکھائی دے رہی ہے۔ اس نے دوپٹے کے پلو سے آنکھیں خشک کیں اور بنا نظریں ملائے شکریہ کہہ کر اٹھ گئی۔ کبھی دوبارہ نہ آنے کا ارادہ کرکے۔ مگر اگلے روز وہ وہاں پھر موجود تھی۔

☼ ☼ ☼

خضر تقریباً دو سال سے اس آفس میں پارٹ ٹائم نوکری کررہا تھا۔ پڑھائی کے ساتھ ساتھ تجربہ حاصل کرنا سود مند بھی تھا اور تکلیف دہ بھی مگر یہ سلسلہ جلد ختم ہونے والا تھا اس کا Lums میں ایڈمیشن ہو گیا تھا اور ایم بی اے کرنے کے لیے اسے اسٹوڈنٹ لون

مل گیا تھا۔ اس لیے اس کو نوکری کی زیادہ ضرورت نہیں رہی تھی۔ چوبیس سال کی عمر میں چالیس سال کا بننا پہلے اس کی مجبوری تھی اور دل لگا کر توجہ سے پڑھنا اس کی خواہش۔ اس بار اس نے خواہش کو فوقیت دی تھی۔ وہ آفس لنچ ٹائم کے بعد پہنچا تھا' اس لیے پھرتی سے کام میں لگ جاتا۔

وہ اپنی میز سے کافی دور کھڑا ایک سینئر افسر سے بات کر رہا تھا' جب اس نے دبے پاؤں ایک دبلی پتلی لڑکی کو اندر آتے دیکھا۔ لڑکی کی پشت اس کی طرف تھی اور وہ دبے پاؤں اندر آئی تھی۔ خضر کی میز کے قریب پہنچ کر وہ میز سے ٹکرائی۔ وہ بٹے سے چھوڑتا نیچے زمین کی طرف منہ کیے وہ لڑکی جس تیزی سے آئی تھی' اسی تیزی سے چلی گئی۔ خضر یہ منظر دیکھتا ہوا میز کی طرف بڑھ رہا تھا اور جس انداز سے لڑکی گئی تھی۔ اس کو خضر کبھی بھولا ہی نہیں تھا۔ وہ دوڑ کر میز پر پہنچا مگر اس بار کچھ چوری نہیں ہوا تھا بلکہ وہاں خضر کا پرانا والٹ بمعہ رقم موجود تھا۔ خضر نے والٹ پکڑا اور اس لڑکی کے پیچھے ہو لیا وہ بیرونی گیٹ تک پہنچ گئی تھی۔

"ایکسکیوزمی مس! محترمہ۔۔۔ بات تو سنیں۔" خضر نے قریب پہنچ کر آواز لگائی۔

جواب میں وہ آہستگی سے مڑی۔

"جی بولیں۔" ماہم نے نظریں چراتے ہوئے کہا۔

"آپ اسی طرح بغیر کچھ کہے جا رہی تھیں۔" خضر نے بٹوا لہرایا۔

"بٹوے میں رقم پوری موجود ہے۔ اس لیے کہنے کی ضرورت نہیں اور اگر آپ معذرت کی توقع کر رہے ہیں تو اس کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کیونکہ آپ کی امانت آپ تک پہنچ گئی ہے۔" ماہم نے اکڑ سے کہا۔

"ان سالوں میں معیشت کتنی بدل چکی ہے' آپ کو اندازہ ہے۔ ڈالر کی قیمت تاریخی سطح پر آ گئی ہے۔" خضر نے اس کے انداز کو دیکھ کر کہا۔

"تو واپس کر دیں۔ ناشکرے لوگوں کو گمشدہ چیز ملنی بھی نہیں چاہیے۔" ماہم نے استحقاق سے ہاتھ بڑھایا۔

"ناشکری نہیں کر رہا۔ حالات واضح کر رہا ہوں۔ ویسے میں ان لوگوں میں سے ہوں' جو اسی بات پر خوش ہو جاتے ہیں کہ انہیں حقیقت کا علم تو ہو گیا' چاہے حقیقت دردناک ہی کیوں نہ ہو۔"

ماہم کو احساس ہوا کہ پچھلے روز خضر نے اسے بہت لاچار حالت میں روتے ہوئے دیکھا تھا۔ وہ کسی اجنبی کو خود پر ترس کھانے نہیں دے سکتی تھی۔ اس لیے پلٹ کر جانے لگی۔

"آپ پھر کل کی طرح بغیر کچھ کہے سنے چلی جائیں گی تو نقصان آپ کا ہو گا۔" خضر نے بلند آواز دے کر اس کو دوبارہ روکا۔

"میں نے کسی اجنبی کو حق نہیں دیا کہ میری زندگی کے نفع نقصان پر بحث کرے۔" ماہم غرائی۔

"میں وہ شخص ہوں جس کے بٹوے اور تصویر کو آپ نے اتنے عرصے سے سنبھال کر رکھا ہوا تھا۔ میں آپ کے لیے اجنبی نہیں ہوں۔" خضر نے غصے کا جواب تحمل سے دیا۔ ماہم نے شرمندگی سے نظر چرالی۔ وہ ٹھیک کہہ رہا تھا۔ رقم خرچ کرنے کے باوجود ماہم نے بغیر مقصد بٹوا سنبھال کر رکھا تھا۔ یہ قدرت کا اتفاق تھا کہ وہ دوبارہ ملے اور ماہم نے رقم ڈال کر بٹوا واپس کر دیا۔

"ویسے میں آپ کو روک اس لیے رہا تھا کہ کل بھی آپ ادھوری بات سن کر چلی گئی تھیں۔ مجھے آپ کے والد کی وفات کا افسوس ہے مگر دنیا میں صرف والد کا رشتہ نہیں ہوتا۔" خضر نے کہا۔

"میں نے آفس ریکارڈ سے ان کا ایڈریس نکالا ہے۔ ان کی بیوی ابھی تک حیات ہیں۔"

ایک بار پھر آنسو ماہم کے گالوں سے بہنے لگے۔ معلوم نہیں اس کی زندگی میں کتنے اتار چڑھاؤ باقی تھے۔

"آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں لگ رہی۔ آپ بیٹھ جائیں۔" خضر نے لان میں بنچ کی طرف اشارہ کیا۔

"میری سمجھ میں نہیں آ رہا کہ خوش ہوں یا اداس۔ جن رشتوں نے مجھے خود سے الگ کر کے پھینک دیا تھا'

میں اب ان کے پاس ایک بار دوبارہ ٹھکرائے جانے کے لیے کیوں جاؤں؟" ماہم نے تھوڑی دیر بعد کہا۔

"حقیقت چاہے جتنی کڑوی ہو اس کو جاننا بہتر ہوتا ہے تاکہ آپ زندگی کا وہ باب بند کر کے آگے بڑھ سکیں۔" خضر نے کہا۔

"میرا مشورہ تو یہی ہو گا کہ آپ صرف ایک بار ملاقات کر لیں اس سے جو احساس گمشدگی ہے وہ ختم ہو جائے گا اور مستقبل کی راہ متعین کرنا آسان ہو جائے گی۔" خضر نے کہا۔

"ایڈریس کیا ہے؟" ماہم نے بے چارگی سے پوچھا۔

"میں آپ کو لے چلوں؟" خضر کو اس روتی گھبرائی لڑکی کی فکر ہونے لگی تھی۔

کچھ دیر بعد وہ اس کے ساتھ بائیک پر بیٹھی اس ایڈریس کی سمت جا رہی تھی۔ چند کلومیٹر مسافت کے بعد بائیک ایک ایسے علاقے میں داخل ہو رہی تھی جو پچیس برس پہلے تنگ لاہور کا پوش علاقہ تھا مگر وقت گزرنے کے ساتھ اب قدرے نیا اور پرانا لگنے لگا تھا۔ خضر کو گھر معلوم کرنے کے لیے ایک راہ گیر کی مدد لینی پڑی۔ راہ گیر نے سفید آہنی گیٹ کی طرف اشارہ کیا۔ ماہم ان جانے بہجانے گیٹ کو گھورنے لگی۔

"بہتر یہی ہے کہ میں باہر انتظار کروں۔ پہلے آپ کو اندر جانا چاہیے۔" خضر نے کہا۔

ماہم نے قدم بڑھایا تو سفید دن یاد آیا جس میں وہ بورڈنگ آئی تھی۔ ماہم نے گھنٹی بجائی اور مڑ کر خضر کو دیکھا جس نے مٹھی لہرا کر اسے مضبوط رہنے کو کہا۔

دروازے پر کھٹ پٹ ہوئی۔ کوئی اندر سے لاک کھول رہا تھا۔

گیٹ کھلا اور ایک نیلی شلوار قمیص میں ملبوس آدمی نمودار ہوا۔

"جی فرمایئے۔ کس سے ملنا ہے؟" اس نے پوچھا۔

ماہم گنگ سی اس کی شکل میں کوئی شناسائی ڈھونڈنے لگی۔ اس کے پاس الفاظ نہیں تھے۔

"میں... مجھے..." اس کے ذہن اور زبان نے اس کا ساتھ چھوڑ دیا تھا۔

اس شخص نے غور سے ماہم کو دیکھا۔ بایاں ہاتھ بڑھا کر دو انگلیوں سے اس کی آنکھوں کے نیچے تین پتیوں جیسے پھول والی چوٹ کے نشان کو چھوا۔

"بہنا؟" اس نے حیرت سے تصدیق چاہی۔

ماہم کچھ کہہ نہ سکی۔

"اماں! دیکھو کون آیا ہے۔ اماں... بہنا آئی ہے۔" وہ شخص دوڑ کر اندر کی طرف بڑھا اور والہانہ چیخنے لگا۔

ماہم بے یقینی سے یہ منظر دیکھ رہی تھی کہ بنا ایک لفظ کے اس کو کیسے پہچان لیا گیا تھا اور اس کی آمد پر خوشی کا کیا عالم تھا کہ اسے یقین نہ آیا۔

"اماں تو تو سچ میں بہنا آئی ہے۔" وہ شخص دوبارہ ماہم کی طرف آیا اور اسے ہاتھ سے پکڑ کر اندر لے آیا گھر کشادہ مگر پرانے طرز کا تھا۔ صحن میں سبز نلکے کے ساتھ ایک تخت تھا۔ دائیں طرف باورچی خانہ تھا جہاں سے ڈوئی تھامے اس شخص کی بیوی نمودار ہوئی جس منظر کو ماہم یتیم خانہ سمجھتی تھی وہ در حقیقت گھر تھا۔

"ماہم... کیا سچ میں ماہم آگئی ہے۔" سامنے کمرے سے ایک ضعیف خاتون کی آواز آئی اور اگلے ہی لمحے وہ دیوار کا سہارا لیتے صحن میں آگئیں۔ ماہم کو دیکھ کر ان خاتون کی آنکھیں بھر آئیں۔ ماہم کے ہاتھ پکڑ کر الٹ پلٹ کر کے دیکھا۔ جیسے پہچان رہی ہوں اور ماہم کو سینے سے لگا لیا۔

"میری بچی تو کہاں تھی۔" دونوں لپٹ کر زار و قطار رونے لگیں۔ باورچی خانے کے دروازے میں کھڑی عورت سب سے زیادہ ہکا بکا تھی۔ چھ سال کی شادی میں اس نے کبھی اس لڑکی کو نہیں دیکھا تھا جس کو اس کا شوہر بہنا کہہ رہا تھا اور جس کے آتے ہی گھٹنوں کی تکلیف میں مبتلا اس کی ساس جو باتھ روم بھی سوٹی پکڑ کر جاتی تھیں "تقریباً" دوڑتے ہوئے ننگے پاؤں ہی باہر آگئی تھیں۔

کون تھی یہ لڑکی جس نے آنے کے بعد ایک لفظ

بھی نہیں کہا تھا اور اب ایسے رو رہی تھی' جیسے صدیوں سے بچھڑے رشتوں کو پالیا ہو۔

☼ ☼ ☼

کیسٹ پلیئر پر نازیہ حسن کے گانے بج رہے تھے۔ موسیقی کی آواز میں جب فرنیچر گھسیٹنے کی آواز کی آمیزش ہونی شروع ہوئی تو توری کی نیند کا زور ٹوٹنے لگا۔ اس نے کروٹ بدل کر پلنگ کے ساتھ والے حصے پر ہاتھ پھیرا۔ سلوٹ زدہ بستر خالی تھا۔ اس نے بمشکل آنکھیں کھولیں۔ پردوں سے سلیٹی مائل روشنی آنا شروع ہو گئی تھی۔ اس نے کمرے کا دروازہ کھول کر لاؤنج میں جھانکا۔

"اتنی صبح صبح کیوں جاگ گئیں؟" توری نے نیند سے بند ہوتی آنکھوں سے دیکھا۔ دو ہفتوں سے اسٹور لگنے والا مکان اب گھر لگنے لگا تھا۔ فرنیچر پر سے پلاسٹک اتار کر کشن رکھ دیے تھے۔ دیواروں پر تصاویر تھیں۔ الیکٹرونکس کا سامان جگہ پر رکھا جا چکا تھا۔ ایک کونے میں اب تک خالی ڈبے' شاپر اور گتے ڈھیر کی صورت پڑے تھے۔

"تم نے یہ سب اکیلے کیوں سیٹ کیا۔ میرے اٹھنے کا انتظار کر لیتیں نا۔"

"دراصل میں سو ہی نہیں سکی۔ گھر ترتیب دینے کی بہت ایکسائٹمنٹ تھی۔ دیکھو سب کچھ کتنا چمک رہا ہے۔" انیش نے خوشی سے اعلان کیا۔

توری کو اس وقت صرف اس چمک سے غرض تھی جو انیش کے چہرے پر تھی۔

"مجھے ہمیشہ سے ڈیکوریشن میں دلچسپی رہی تھی مگر آج تک کبھی آزمایا نہیں تھا۔ پرانی زندگی کی آرائش بے سود ہوتی ہے مگر اب میرا اپنا گھر ہے' میں سارے ارمان پورے کروں گی۔"

وہ ایک ایک کر کے ہر کونے کی سجاوٹ کر رہی تھی۔ وہ زندگی میں بہت عرصے بعد خوش تھی اور توری کو فخر تھا کہ وہ اس کی خوشی کا باعث ہے۔

اسے کوئی ملال نہیں تھا جب کورٹ میرج کے بعد وہ گاڑی کی طرف بڑھ رہے تھے تو دونوں بے حد خاموش تھے۔ سست رفتار قدموں سے چلتے ہوئے وہ اس "آنا" فانا" آئی تبدیلی کو سمجھنے کی کوشش کر رہے تھے۔ یک دم انیش کے قدم رک گئے۔ توری کا دل وسوسوں میں گھر گیا۔ یقیناً" اب وہ اس فیصلے پر نادم ہوگی اور اسے ایک غلطی سمجھ کر بھول جانے کو کہے گی۔ توری نے آہستگی سے پیچھے مڑ کر دیکھا تو انیش جھک کر اپنے جوتوں کے تسمے باندھ رہی تھی۔ توری نے سکون کا سانس لیا اور اپنا ہاتھ بڑھا کر اس کو اٹھنے میں مدد دی۔ دونوں ایک مرتبہ پھر خاموشی سے سفر طے کرنے لگے مگر اس بار دونوں نے ہاتھ تھامے ہوئے تھے۔

"ایک بات کہوں؟" آخر انیش نے خاموشی توڑنے میں پہل کی۔

"کہو۔"

"مجھے بھنے ہوئے چنے کھانے ہیں نمکی کے ساتھ۔" انیش نے قریب کھڑی ریڑھی کی طرف اشارہ کیا اور یک دم اس کی شوخی واپس آگئی۔

"آج اتنے خاص دن پر تمہارے پاس کیمرا نہیں ہے۔" توری نے کاغذ کی کون پکڑتے ہوئے کہا۔

"کچھ منظر دل پر نقش کرنے کے لیے ہوتے ہیں۔" انیش نے گاڑی کے بونٹ سے ٹیک لگالی۔

"جب کسی یادگار دن کو بار بار جینے کی خواہش ہو تو تصویر اہم ہو جاتی ہے۔ اداس وقتوں میں کام آتی ہے۔" توری کہتا ہوا قریبی دکانوں کی طرف چلا گیا اور کچھ دیر بعد ایک فوٹو گرافر لے کر آیا۔ جس نے پولرائڈ کیمرے سے دونوں کی تصویر اتاری۔ دونوں کی شکل پر لوبیاہتا جوڑے والا نور تھا۔ توری نے تصویر اپنے والٹ میں رکھ لی۔

"اب مجھے گھر چھوڑ دو۔" انیش نے ہاتھ جھاڑتے ہوئے کہا۔

"گھر ہم مل کر بنائیں گے مگر مجھے تھوڑا وقت درکار ہے۔" توری نے کہا۔

"ساری عمر مکانوں میں رہنے کے بعد مجھے گھر کی

تمنا ہے بھی۔"
انشی نے مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا۔

☼ ☼ ☼

"سیٹھ قیصر شاہ کی بہو ایک غیر مذہب آوارہ لڑکی" آذی کے انکشاف پر بیگم رونق جمال پہلے سکتے میں آگئیں۔

"وجاہت علی خان کے نواسے کی بیوی سیٹھ قیصر شاہ کی بہو۔۔۔ وہ نہیں ہو سکتی۔" رونق جمال اس زور سے دھاڑیں کہ ان کی آواز کی گونج کوٹھی کے کونے کونے تک پہنچ گئی۔ جس خاتون کی نظر اٹھنے کا سانس روک دیتی تھی' ان کی دھاڑ سے گھر کے تمام افراد کا خون خشک ہو گیا۔ آذی ہمت کر کے ان کے سامنے آیا تھا۔ اس کو ان کے اسی ردعمل کی توقع تھی۔ وہ یہ خبر آہستہ آہستہ ان تک پہنچانا چاہتا تھا' مگر کورٹ میرج کر کے جب وہ گھر پہنچا تو اس کی منگنی کی تاریخ رکھی جا چکی تھی اور تیاریاں زور پکڑ گئی تھیں۔ اس لیے وہ انتظار نہیں کر سکا۔

"تم نے ہماری نسلوں کو داغ دار کر دیا۔ میں ایسا نہیں ہونے دوں گی۔ اس کی اس گھر میں کبھی کوئی جگہ نہیں بن سکتی۔ جو غلطی تم نے کی ہے اسے ہم سدھاریں گے۔ حاجی صاحب۔۔۔ فوراً" طلاق کے پیپرز بنوائیں' جب تک یہ توہین ہمارے سامنے رہے گی ہمیں چین نہیں آئے گا۔" رونق جمال نے کونے میں کھڑے لرزتے ہوئے حاجی صاحب کو حکم دیا۔

"میں اسے طلاق نہیں دوں گا۔" آذی کشتیاں جلا کر آیا تھا۔

"اس سے تعلق رکھنا ہے تو یہ گھر جائیداد سب سے ہاتھ دھونا پڑے گا' میں تم سے قیصر شاہ کا نام تک چھین لوں گی۔ تمہیں عاق کر دوں گی۔" غصے سے ان کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔

"کاش! ممتا کا واسطہ دیا ہوتا' مگر افسوس آپ کو صرف ڈیل ہی کرنی آتی ہے۔ نہیں چاہیے آپ کی دولت۔" آذی غصے سے اٹھا اور کرسی کو ٹھوکر مار کر باہر کی طرف بڑھا۔ اس کا بھائی دوڑتا ہوا آیا اور کندھے سے پکڑ کر اس کو روکنے کی کوشش کی۔ کوئی درمیانی راہ نکالنے کی تجویز دی' مگر رونق جمال نے روک دیا۔

"آج کے بعد اس گھر کا کوئی بھی فرد اس سے رابطہ نہیں رکھے گا۔ ہرگز نہیں۔"

آذی غصے سے دروازہ بند کرتا ہوا گھر سے نکل گیا۔

انشی کی طرف بھی منظر زیادہ مختلف نہیں تھا۔ فرق اتنا تھا کہ اس کے والد کو انشی کی طرح مذہب میں دلچسپی ہی نہیں تھی اور انشی کو بھی نافرمانی کی عادت ہو چکی تھی۔

"تم سے اور توقع ہی کیا تھی۔ آخر تمہاری رگوں میں اس غلیظ عورت کا خون ہے۔ وہ بھی مجھ سے تعلق توڑ کر کسی اور سے شادی کرنے کے لیے چلی گئی تھی۔ تمہاری صورت ہی نہیں فطرت بھی اس جیسی نکلی۔ اگر تم یہ گھر چھوڑ کر گئیں تو قسم کھاتا ہوں تمہارا انجام بھی اس جیسا ہی ہو گا۔ وہ وہاں نوکری کرتی ہے اور دو کمروں کے اپارٹمنٹ میں زندگی بسر کر رہی ہے۔ جب یہ امیرزادہ چند دنوں کی عیاشی کے بعد تمہیں چھوڑ دے گا تو تم بھی جوتیاں چٹخاتی پھرو گی۔ تمہارے باپ کی این جی او پر چلنے والے چیریٹی اسکولوں میں تمہاری اولاد تعلیم حاصل کرنے کو ترسے گی۔" نفرت اور گالیوں سے بھرے ہوئے یہ الفاظ خلاف توقع انشی کی آنکھوں میں آنسو لے آئے۔

وہ اپنا مختصر سا بیگ اٹھا کر گھر سے باہر سڑک پر بیٹھ کر آذی کا انتظار کرنے لگی۔ کچھ دیر بعد آذی آیا تو انشی کو پتا لگ گیا کہ وہ بھی اس کے لیے سب چھوڑ آیا ہے۔

شادی کے ابتدائی دنوں میں دونوں کے کئی خدشات دور ہو گئے۔ انشی کو لگتا تھا کہ وہ پیار کرنے کے قابل نہیں' مگر آذی کی محبت اسے ہر پل احساس دلاتی تھی کہ وہ کس قدر خاص ہے۔ آذی نے زندگی کو ہمیشہ آسائشوں سے مزین دیکھا تھا۔ ایک چھوٹے سے بغیر فرنیچر کے گھر میں سادگی سے رہنا کس قدر خوشگوار ہو سکتا ہے' یہ انشی کے ساتھ رہ کر اسے معلوم ہوا۔ چند ہفتے کسی پکنک کے انداز میں گزرے۔ وہ دن ایسے تھے کہ کئی لوگ اپنی تمام زندگیاں دے کر حاصل کرنا

چاہیے۔ پھر فرنیچر آیا' جس کو انفش نے ترتیب دینے میں لگی تھی۔ اس کو خوش دیکھ کر توی کو اپنے فیصلے پر ناز ہو رہا تھا۔

"چلو بس بہت کام کرلیا۔ اب تھوڑا آرام کرلو۔" توی نے بڑھ کر انفش کا ہاتھ تھاما اور آہستگی سے اس پر موجود گرد جھاڑی۔

"نہیں۔ ابھی ڈیکوریشن پیس سیٹ کرنے ہیں' میں نے اپنی کچھ تصاویر فریم کروائی ہیں' وہ لگانی ہیں۔"

"ابھی نہیں۔" توی نے لاڈ سے کہا اور انفش کو کمرے کے اندر کھینچ کر دروازہ بند کرلیا۔

☼ ☼ ☼

انفس میل پر انگلیوں سے غائبانہ پیانو بجاتے ہوئے توی دل میں کوئی گانا گنگنا رہا تھا۔ کچھ دیر پہلے ٹریول ایجنٹ ہو کر گیا تھا۔ اپنی سالگرہ کا تحفہ پاکر وہ خوش ہو رہا تھا۔ انٹرکام کی گھنٹی بجی اور سیکریٹری نے ایک نئے ملاقاتی کی آمد کی اطلاع دی۔ توی کی تھرکتی انگلیاں رک گئیں۔

"بھیج دو۔" اس نے سنجیدہ انداز میں کہا۔

اگلے ہی لمحے اس کا بھائی کمرے میں داخل ہوا۔ دونوں کے درمیان واضح کھچاؤ تھا' مگر توی نے اٹھ کر استقبال کیا۔

"کیسے ہو؟" اس نے نشست سنبھالتے ہی پوچھا۔

"یہ سوال آپ کو چھ مہینے بعد یاد آیا؟" توی شکوہ کرنے سے نہیں چوکا۔

"اتنے کڑوے مت بنو۔ تمہاری حرکت پر ہمارا غصہ بجا تھا۔"

"سزا سنانے کے بعد غصہ جائز نہیں۔ ویسے آپ کا یہاں آنا آپ کو بھی سزا دلوا سکتا ہے یا ملاقاتیوں کو ملنے کی اجازت دے دی گئی ہے۔" توی آنے کی وجہ پوچھ رہا تھا۔

"گھر میں شادی ہے۔" اس کے بھائی نے دعوت نامہ نکال کر میز پر رکھا۔ توی نے جگمگاتا کارڈ پکڑ کر اس پر اپنے بھائی کا نام اور تین دن بعد کی تاریخ پڑھی۔ اجنبیوں کی طرح دعوت نامہ وصول کرنا بے حد تکلیف دہ تھا۔

"تم بات کی ابتدا میں میرے پاس آتے تو میں ضرور کوئی راستہ بناتا۔ مصالحت کی کئی راہیں نکل سکتی تھیں' مگر تم نے مجھ پر بھروسا نہیں کیا۔ اب یہ انا کا مسئلہ بھی ہے اور عزت کا سوال بھی۔ ابی کی شرط وہی ہے جو پہلے تھی۔"

"میں اسے کسی قیمت پر نہیں چھوڑوں گا۔" توی کا لہجہ گستاخ ہو گیا۔

"اور اس کی خاطر سب کچھ چھوڑ بیٹھے ہو' کیا یہ قیمت بڑی نہیں؟"

"وہ میری خوشی ہے' کاش! آپ لوگ سمجھتے۔"

توی کا سارا جذبہ جھاگ کی طرح بیٹھ گیا تھا۔ آج اس کے لیے خاص دن تھا۔ اس کی سالگرہ تھی اور وہ انفش کے ساتھ مل کر لطف اندوز ہونا چاہتا تھا' مگر بھائی کی آمد نے اس پر یہ حقیقت آشکار کردی کہ وہ پتھر کا نہیں ہے۔ اسے گھر اور گھر والوں کی یاد ستانے لگی۔ بے سان کی جدائی نے اس کے دل میں سیر ایک کی جدا کردی تھی جو انفش کی بھرپور محبت چاہ کر بھی پُر نہیں کرسکتی تھی۔ جب وہ گھر پہنچا تو انفش گھر پر موجود نہیں تھی۔ جو ایک معمولات تھی۔ زیادہ تر توی گھر آتا تو انفش باہر گئی ہوئی تھی۔ کبھی تصاویر لینے کبھی گھر کی آرائش کے کسی نئے مرحلے کو طے کرنے اور کبھی یتیم بچوں کی این جی اوز کے کام سے' جس سے وہ کچھ عرصے سے منسلک تھی۔ پھر کچھ دیر بعد گرد میں اٹی گھر آئی تو لٹی دیکھتے توی کو دیکھ کر کہتی کہ بیگم جب تھکی ہوئی باہر سے آئے تو میاں کو تیار ہو کر رہنا چاہیے۔ توی اس کو پنجرے میں قید کرنے کے لیے نہیں لایا تھا اور اسے یہی بات سب سے زیادہ پسند تھی کہ اس نے شادی کے بعد اپنا آپ نہیں بدلا تھا۔ پھر دونوں مل کر کھانا تیار کرتے اور سارے دن کی مصروفیات بیان کرتے۔

مگر آج کھانا بھی پہلے سے تیار تھا اور انفش نے خلاف عادت شلوار قمیص پہن کر ہلکا پھلکا میک اپ کیا

ہوا تھا۔

"ہیپی برتھ ڈے۔" ایفش نے جگمگاتے ہوئے چہرے سے کہا۔

"صرف سادہ سی برتھ ڈے وش۔۔۔ میرا تحفہ کہاں ہے؟" آذی اپنے بوجھل مزاج کا اثر اس خوشگوار رات پر نہیں پڑنے دینا چاہتا تھا۔

"تحفہ بھی ہے اور کیک بھی۔"

وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر ٹیبل کے پاس لے آئی جہاں کئی موم بتیوں میں گھرا چاکلیٹ کیک رکھا تھا۔ دونوں نے مل کر کیک کاٹا۔

"میرے پاس بھی تمہارے لیے تحفہ ہے۔" آذی نے بیگ سے دو ایئر ٹکٹ نکالیں۔ "میری زندگی کو خاص بنانے کا شکریہ۔ یہ یورپ کے ٹور کے دو ٹکٹس ہیں۔"

"اگلے مہینے؟" ایفش نے ٹکٹ کھول کر تاریخ پڑھی۔

"وہاں تم جی بھر کے تصاویر کھینچنا۔ دنیا ایکسپلور کرنا اور میں تمہیں دیکھ کر ریلیکس کروں گا۔" آذی ایفش کے چہرے پر متوقع خوشی نہ دیکھ کر حیران ہوا۔ ایفش کچھ لمحے خاموشی سے کھڑی رہی پھر قریب پڑی میڈیکل رپورٹ آذی کو تھمائی۔

"یہ میری طرف سے آپ کے لیے تحفہ۔۔۔ گڈ نیوز ہے۔" ایفش نے اس کے کندھے پر سر ٹکا کر مسکراتے ہوئے کہا۔ آذی نے رپورٹ کھول کر ایک نظر پڑھی پھر میز پر موجود موم بتیوں کے قریب لے جا کر اسے آگ لگا دی۔ ایفش نے خوف زدہ ہو کر خود کو آذی سے دور کیا جیسے آگ اس کے وجود کو لگی ہو۔

"ابھی اس سب کا وقت نہیں ہے۔ ابھی ہمارے انجوائے کرنے کے دن ہیں۔ دنیا دیکھنی ہے۔ تمہارے اتنے خواب ہیں۔ ان سب چکروں میں پڑ گئے تو چھوٹی سی عمر میں خوار ہو جائیں گے۔" آذی نے جلتا ہوا کاغذ زمین پر پھینکا۔ ایفش حیران اس کی صورت تک رہی تھی۔

"اس کم عمری میں مجھے ایسے مت دیکھو۔ خود سوچو اس حالت میں تم سفر کیسے کرو گی۔ میں کب سے تمہارے لیے یہ ٹرپ پلان کر رہا تھا۔ تمہارا رویہ اتنا سرد ہو گا' مجھے ہرگز امید نہیں تھی۔"

"اپنی اولاد کی خبر سن کر آپ کا رویہ اتنا ظالمانہ ہو گا۔ مجھے بھی ایسی امید نہیں تھی۔" ایفش کو دکھ پہنچا تھا۔

"میں تمہارے اندر کے فنکار کو دیکھتا ہوں۔ میں نے تم سے کبھی توقع نہیں کی کہ گھر بیٹھو' بچے پیدا کرو اور انہیں پالنے میں خود کو ضائع کرو۔" آذی نے نرم لہجے میں کہا۔

"مگر میں نے اس چیز کی خواہش کی ہے۔"

"کیوں روایتی لڑکیوں کی طرح جذباتی ہو رہی ہو' میں کب کہہ رہا ہوں کہ مجھے اولاد نہیں چاہیے' مگر ابھی نہیں۔"

"آپ تم روایتی مردوں کی طرح ہو رہے ہو صرف اپنا سوچنے والے۔"

"میں نے اپنے بارے میں سوچا ہوتا تو اپنی ماں کی پسند کی لڑکی سے شادی کر کے زندگی گزار رہا ہوتا مگر میں نے ایسا نہیں کیا۔ میں نے تمہارا انتخاب کیا۔ ایک مختلف زندگی کا انتخاب کیا۔ اب تم چاہتی ہو کہ بندھنوں میں جکڑ کر وہی زندگی گزاروں' جس کو میں ٹھوکر مار کر آیا ہوں تو پھر میں نے کیوں اپنے خاندان کی ناراضی مول لی۔ ایسی زندگی تو وہاں بھی موجود تھی۔" سارے دن کی دبائی ہوئی تلخی سطح پر آ گئی۔

"میں بھی تمہارے لیے بہت کچھ ٹھکرا کر آئی ہوں۔" ایفش کی آنکھوں میں نمی جھلکنے لگی۔

اس کے آنسو دیکھ کر آذی گھبرا گیا اور اپنا لہجہ نرم کر لیا۔

"میں صرف یہ کہنا چاہ رہا ہوں کہ تم نہیں جانتیں محبت کرنے والے رشتوں کو چھوڑنا کس قدر کرب کا باعث ہوتا ہے۔ میرے بھائی کی شادی ہے جس میں' میں شریک نہیں ہو سکتا۔ اب یہ ضد کر کے مجھے مزید دکھی نہ کرو۔" آذی نے اس کو کندھوں سے پکڑ کر سمجھایا۔

"میں ایک بروکن فیملی سے ہوں تو کیسے جان سکتی

ہوں اور تمہاری خواہش پوری کر کے شاید عمر بھر نہ جان سکوں۔ البتہ میں یہ ضرور جانتی ہوں کہ جب میاں بیوی کا رشتہ اپنے عروج پر پہنچتا ہے تو بیوی شوہر کے وجود کا حصہ اپنے اندر پا کر کس قدر خوش ہوتی ہے اور جب شوہر اس احساس کو رد کردے تو اس کے پیروں کے نیچے سے زمین نکل جاتی ہے۔" اینش نے آنسو پونچھے اور پیر پٹختے ہوئے باہر چلی گئی۔

آذی نے پگھلتی ہوئی موم بتیوں کو غصے میں فرش پر پھینکا اور سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔ اسے اپنے موقف پر شرمندگی نہیں تھی۔ افسوس صرف اس بات کا تھا کہ وہ بات سنبھال نہیں سکا۔ وہ اینش کو تکلیف نہیں دینا چاہتا تھا۔

بہت دیر سر پکڑے وہ اوسان بحال کرتا رہا۔ پھر اٹھ کر دروازہ کھول کر باہر نکل آیا کہ شاید وہ یہیں کہیں بیٹھی ہو مگر وہ کہیں نہیں تھی۔ آذی ایک بار پھر اندر آگیا اور پانی کے ٹھنڈے گلاس سے دماغ ٹھنڈا کیا کہ وہ آئے گی تو اسے کس انداز میں قائل کرے گا۔ اسے یقین تھا کہ وہ وہاں جائے گی۔ تمام الفاظ ترتیب دے کر وہ غیر ارادی طور پر انھیں ذہن میں دہرانے لگا۔ تین گھنٹے گزر گئے وہ نہیں آئی۔ آذی کو بے چینی ہونے لگی۔ اگلے دو گھنٹے اس نے اندر باہر آتے جاتے گزار دیے۔ وہ اس کی سر پھری طبیعت سے واقف تھا۔ اسے ڈر تھا کہ کہیں وہ خود کو نقصان نہ پہنچا دے۔

"اف خدایا! یہ کیا کر دیا۔" آذی نے خود ملامتی کے ساتھ سوچا۔ اس کی رشتوں کی بے اعتباری کو ختم کر کے ایک بار پھر تلخی کا تحفہ دے دیا۔ وہ سوچنے لگا کہ وہ آئے گی تو اس سے معافی مانگے گا۔ اس کا نظریہ سنے گا۔ مگر وہ کہاں گئی ہو گی۔ گاڑی کی چابی پکڑ کر باہر کی طرف لپکا تو اینش ہاتھ میں ایک چھوٹا سا شاپنگ بیگ لیے کھڑی تھی۔ وہ دروازے سے ہٹ گیا۔ اینش اندر آگئی اور شاپنگ بیگ میز پر رکھ کر کیک کھانے لگی۔ اسے یقیناً بہت بھوک لگی تھی، جو منٹوں میں ایک بڑا سا ٹکڑا چٹ کر گئی۔ آذی نے کیک کا ایک اور ٹکڑا کاٹ کر اس کی طرف بڑھایا، اس نے وہ بھی کھا لیا۔ پھر اینش نے شاپنگ بیگ سے ایک اجلا سفید رنگ کا بچگانہ سوٹ نکالا اور دھیرے سے آذی کے ہاتھ میں تھما دیا۔ آذی کے مضبوط ہاتھوں میں وہ سوٹ بے حد چھوٹا لگ رہا تھا۔

"جو چیز اتنی چھوٹی سی ہو وہ خوار کر سکتی ہے اور نہ ہی رکاوٹ بنتی ہے۔" اینش نے آہستگی سے کہا۔

"میرے ماں باپ میں محبت نہیں تھی۔ اولاد ان کے لیے بوجھ تھی۔ ہماری محبت اتنی کمزور نہیں ہے۔" آذی نے جواب میں اس کا ہاتھ تھام لیا۔ اس نے جو کچھ کہا تھا سب بھول گیا۔

"بس مجھے تم چاہیے ہو۔ آئندہ کبھی مجھے یوں چھوڑ کر نہ جانا۔" اس نے آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر عہد لیا۔

"نہیں جاؤں گی، کبھی نہیں جاؤں گی۔ وعدہ کرتی ہوں۔" اینش نے کہا۔

مگر وہ اپنا وعدہ وفا نہیں کر سکی اور اسے چھوڑ گئی۔ چند مہینوں بعد وہ ایک ننھی سی بچی کو جنم دے کر چلی گئی۔ آذی نے اسے بہت منایا۔ وہ نہیں مانی۔ آذی رو رو کر اپنی محبت کا واسطہ دیتا رہا مگر اس نے جنبش نہیں کی۔ غم سے نڈھال آذی آپریشن تھیٹر اور نیو بورن نرسری کے درمیان کاریڈور میں بیٹھا آگے کی راہ تلاش کر رہا تھا۔ وہ اس بچی کے پاس نہیں جانا چاہتا تھا جو اینش کے جانے کی وجہ بنی تھی۔ بہت دیر سوچنے کے بعد اس نے ایک فون ملایا۔

"امی۔۔۔ میں آذی بول رہا ہوں۔"

☼ ☼ ☼

بیگم رونق جہاں نے جب بچی کو گود میں اٹھایا تو وہ خوشی سے سرشار ہو گئیں۔ وہ بچی ان کے لیے ایک ٹرافی کی مانند تھی، جو اس شاندار جیت پر انھیں ملی تھی۔ آذی کی ضد ہار گئی تھی اور ان کی انا سرخرو ہوئی تھی۔ ان کے لیے وہ بچی اس بات کی نشانی تھی کہ رونق جہاں کو چیلنج کرنے والا منہ کے بل گر جاتا ہے۔ یہ سوچ گرون کے کندھوں کے ساتھ ساتھ گردن بھی مزید اکڑ

گئی۔

"حاجی صاحب! یہ آپ کے پاس میری امانت ہے' خیال رکھنا۔" رونق جہاں نے بچی گاڑی کی سیٹ پر رکھ دی اور گاڑی سے اتر گئیں۔ حاجی صاحب اسے اپنے گھر لے آئے۔ ان کی بیگم ریحانہ نے اس کی اپنی اولاد کی طرح پرورش کی۔ ماہم تین سال کی تھی۔ تخت پر بیٹھی کھلونوں سے کھیل رہی تھی۔ ریحانہ برآمدے میں کپڑے استری کرنے لگی۔ تھوڑی دیر میں ان کے دونوں بچے لو دھم مچاتے آگئے۔ دونوں نے نئے کھلونے لیے تھے۔ ناصر کے پاس گاڑی تھی اور صابر کے پاس بے بلیڈ تھا۔ جو تھا تو لٹو ہی بس ساتھ لیور لگا تھا۔ جس کی مدد سے ہوا میں چھوڑو تو فرش پر گر کر پھرتی سے چکرانے لگا تھا۔ ناصر محبت سے تخت پر گاڑی چلانے لگا۔ تاکہ ماہم بھی لطف اندوز ہوسکے۔ صابر کی بھی حس پھڑکی اور اس نے لیور کا رخ ماہم کی طرف کرکے لٹو آزاد کیا۔ لٹو فرش پر گرنے کے بجائے ماہم کی آنکھ پر گرا اور پھر تخت پر گر کر گھومنے لگا۔

ماہم نے تکلیف سے چیخنا شروع کردیا۔ ریحانہ استری چھوڑ کر آئیں اور ماہم کو اٹھالیا۔ آنکھ کے اوپر خون کا قطرہ موجود تھا۔ ماہم نے خوف سے آنکھیں بھینچ رکھی تھیں۔ تسلی ہوئی کہ آنکھ محفوظ ہے۔ صابر بے حد شرمندہ ہوا اور ماہم کو پیار کرکے معافی مانگی۔ ماہم کا زخم بھر گیا مگر آنکھ کے اوپر جلد پر نشان رہ گیا۔ جیسے تین پتیوں والا ننھا پھول ہو۔

بورڈنگ جانے کے بعد ماہم کو اکثر یہ منظر یاد آتا۔ اس کی چوتھی سالگرہ بڑے اہتمام سے منائی گئی۔ پڑوسیوں کے بچے کئی تحائف لائے اور ناصر اور صابر نے اپنی جیب خرچ جوڑ کر اسے ایک مہنگی گڑیا لے کر دی۔ ریحانہ نے کئی کپڑے سی کر دیے۔ مگر سب تحفوں پر بھاری وہ تحفہ تھا جو ماہم کی دادی نے بھجوایا تھا۔

"اس کا بورڈنگ اسکول میں داخلہ کروادیا گیا۔"

اور یوں ماہم سفید وین میں بیٹھ کر بورڈنگ چلی گئی۔ جسے صابر اور ناصر صاحب دائی کہہ رہے تھے۔

☆ ☆ ☆

اس کی بند پلکوں پر کسی کی پھونک کی سرسراہٹ ہوئی۔ وہ رات دیر سے سوئی تھی۔ اس لیے پلکیں بہت وزنی ہو رہی تھیں۔ اپنی ہتھیلیوں کی مدد سے آنکھیں مل کر اس نے دیکھا۔ ریحانہ اماں بنا آواز کچھ پڑھ کر پھونک رہی تھیں۔

"السلام علیکم۔" ماہم نے ان کی گود میں سر رکھ دیا۔

"جیتی رہو۔ منہ ہاتھ دھولو میں بہو کو کہہ کر تمہارا ناشتا بنواتی ہوں۔" منہ ہاتھ دھو کر ماہم صحن میں تخت پر آگئی۔ صبا نے گرم گرم انڈا پراٹھا اس کے سامنے رکھ دیا۔ ماہم نے ڈٹ کر ناشتا کیا پھر ریحانہ کے کمرے میں پہنچ گئی۔

"اماں! میرے باپ کا نام کیا ہے؟" ہمت کرکے ماہم نے پوچھا۔

"نہیں جانتی بیٹا! میں نے کبھی نہیں پوچھا۔ جب انسان وفاداری حاصل کرلیتا ہے تو نہ چاہتے ہوئے بھی کتنا بن جاتا ہے۔"

ماہم نے چونک کر اماں کو دیکھا۔ ان کے لہجے سے واضح تھا کہ ان کا مقصد تضحیک نہیں تھا۔ وہ تو جیسے ایک حقیقت بیان کررہی تھیں۔

"اور دادی۔" ماہم کے الفاظ خود اس کے لیے اجنبی تھے۔

"وہ کافی برس پہلے فوت ہوگئی تھیں۔ ان کے بعد حاجی صاحب ہی ذمہ داری سے تمہارے اخراجات دیکھتے تھے۔"

"جب میں انجان تھی تو تنہائی کا روگ بے حد تکلیف دہ تھا۔ اب جاننے کے بعد احساس ہو رہا ہے کہ اس انکشاف میں اس سے کہیں زیادہ اذیت ہے کہ میرے رشتے ہیں مگر انہوں نے مجھے ایک ٹشو پیپر کی طرح خود سے الگ کردیا۔"

"میری بچی! خود کو کیوں ملامت کرتی ہو۔ بدقسمت ہیں وہ لوگ جو تم جیسی پیاری بچی سے محروم ہوگئے۔" اماں نے تسلی دیتے ہوئے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا۔ مگر

ماہم کی شکل پر واضح تھا کہ اس کی گھبراہٹ میں کوئی کمی نہیں ہوئی۔

"بیگم صاحبہ کے تین بیٹے ہیں۔ بڑے کا نام عدنان شاہ ہے۔ اس کی بیگم کا نام سلمٰی ہے۔ اس کے چار بچے ہیں۔

"دوسرے بیٹے کا نام عادل شاہ ہے۔ اس کی بیگم عالیہ مشہور سوشل ورکر ہے۔ اکثر اخباروں میں تصاویر آتی ہیں۔ غریب عورتوں کے روزگار کے لیے کام کرتی ہے۔ اس کے بھی دو بچے ہیں۔ تیسرے کا نام عباد ہے۔ وہ بہت سلجھا ہوا اور عزت کرنے والا لڑکا تھا۔ ملک سے باہر جاتا تو حاجی صاحب کے لیے بھی تحفہ ضرور لاتا۔"

"وہ بھی شادی شدہ ہیں؟"

"ہاں بیٹا! اس کی بیگم نے بالکل بیگم صاحبہ کے انداز میں گھر سنبھالا ہوا ہے۔ سلیقہ، رعب اور انتظام تینوں ہی خوب پائے ہیں۔ اس کا نام نوشین ہے۔" اماں خاموش ہو گئیں۔

"ان کے گھر کا ایڈریس کیا ہے؟" ماہم نے سنجیدگی سے پوچھا۔

☼ ☼ ☼

سیاہ آہنی گیٹ کے سامنے کھڑے ہو کر ماہم نے اپنا حوصلہ اس حویلی نما گھر سے زیادہ سمیٹ لیا۔ آج وہ اس گھر کی دیواریں لرزانے کے ارادے سے آئی تھی۔ اس کے ہاتھ میں فائل تھی۔ جس میں اس کی تمام دستاویز تھیں۔ اس کی فیس سلپ، بینک اکاؤنٹ نمبر اس کے تمام رزلٹ کارڈ، وہ ہر بات کے لیے تیار تھی۔ اس کے انکشاف کے بعد ممکن تھا، اسے دھکے دے کر نکال دیا جاتا مگر اسے پروا نہیں تھی۔ اس کے دل میں جو آگ لگی تھی، وہ اس کی چنگاری اس گھر میں بسنے والے رشتوں کو لگانا چاہتی تھی۔ وہ بے قصور ہو کر اکیلی کیوں جلے۔ اس نے گھنٹی بجائی تو ایک گارڈ نمودار ہوا۔

"مجھے گھر والوں سے ملنا ہے۔" ماہم نے آمد کا مقصد بتایا۔

"سیدھا جا کر بائیں جانب دروازہ ہے۔" گارڈ نے ہاتھ سے اشارہ کیا۔

وہ لان سے گزر کر دروازے کے قریب پہنچی تو اس کی ساری ہمت حیرت میں بدل گئی۔ سامنے دو اور لڑکیاں ہاتھوں میں فائل تھامے بیٹھی تھیں۔ وہ دونوں گھبرائی ہوئی تھیں۔ ایک کے ساتھ اس کی ماں بھی تھی، جو بیگ میں سے پانی کی بوتل نکال کر بیٹی کو پلا رہی تھی اور حوصلہ کی تاکید کر رہی تھی۔ ماہم ایک خالی کرسی پر بیٹھ گئی۔ دروازے سے ایک ملازمہ نمودار ہوئی اور پہلی لڑکی کو آنے کا کہا۔ کچھ دیر بعد وہ لڑکی باہر نکلی اور دوسری چلی گئی۔ ماہم نے رات بھر یاد کیے اپنے الفاظ سبق کی طرح دہرائے تھے کہ اسے کیا کہنا ہے۔

"آپ آ جائیں۔" ملازمہ نے اسے ادب سے مخاطب کیا۔ کیوں کہ اس کا حلیہ باقی دونوں سے کہیں گنا بہتر تھا۔

"میرا نام ماہم نور ہے اور میں بیگم رونق جمال اور قیصر شاہ کی پوتی ہوں۔" ماہم نے ذہن میں بسا جملہ دہرا لیا، جو اسے کہنا تھا اور اجازت لیتے ہوئے کمرے میں داخل ہو گئی۔ سامنے صوفے پر ایک عورت غور سے اس کو دیکھ رہی تھی۔ ماہم نے جھجکتے سے فائل اس کے سامنے ٹیبل پر رکھی۔

"میرا نام ماہم نور ہے۔"

"بیٹھ جاؤ۔" خاتون نے اس کی بات کاٹ دی اور اپنے ہاتھ میں تھامی ڈائری میں ماہم کا نام درج کر لیا۔ ماہم نے پھر بولنے کی کوشش کی مگر وہ فائل دیکھنے لگی۔

"آپ نے مری سے پڑھا ہے؟" حیرت میں اس کے منہ سے انگریزی نکلی تھی۔

"کچھ کشادہ دل لوگوں کا احسان ہے، ورنہ قسمت یتیم خانے میں بھی لے جاتی تو میرا کیا اختیار تھا۔"

"آپ کی تعلیم کافی اچھی ہے۔ اتنے مہنگے اور مشہور اداروں میں پڑھتے ہوئے آپ کو جاب کی ضرورت کیسے پڑ گئی؟" خاتون نے فائل میں کاغذات دیکھ کر کہا۔

"جلب سے۔" ماہم نے دریافت کیا۔

"اور میں کوئی چند گھنٹوں کی ٹیوٹر کی تلاش میں نہیں ہوں۔ مجھے دن بھر کا ٹیچر چاہیے۔ جس سے بچے ٹیبل مینرز' لینگویج' اسکلز سیکھ سکیں۔ آپ کے گھر والے اجازت دے دیں گے؟"

"اپنا کوئی ہوتا تو ہاسٹل میں رکھتے نہ ٹھکانے کی ضرورت ہوتی۔" ماہم نے انجانے میں نوکری کے لیے ہامی بھرلی تھی۔

"تو آپ ڈسٹنٹ ہو رہی ہیں۔ ہاسٹل کی آپ کو ضرورت نہیں رہے گی۔ جہاں تک آپ کی پڑھائی کا تعلق ہے تو وہ اکوموڈیٹ ہو سکتی ہے۔ ہمارے بچے اتنے چھوٹے نہیں ہیں کہ چوبیس گھنٹے نگرانی کی جائے۔" خاتون نے فائل واپس کی۔

"میں یہاں اس لیے نہیں آئی کہ مجھے کسی اور گھر والے سے ملنا ہے۔"

"ابھی آپ کی تقرری نہیں ہوئی۔ نادرہ ٹرالی لے آؤ۔"

خاتون نے ملازمہ کو آواز دی جو لوازمات سے سجی ٹرالی لے آئی۔ ماہم کو خاطر تواضع کی ہرگز توقع نہیں تھی مگر کچھ بھی پلان کے مطابق نہیں ہو رہا تھا۔

"میرا نام نوشین ہے۔ میرے تین بچے ہیں۔ سوچ لو۔" خاتون نے ٹرالی کی طرف اشارہ کیا۔

ماہم کو کھانے کی خواہش نہیں تھی مگر اسے گھر کے بارے میں مزید جاننے کا موقع مل رہا تھا اس لیے انکار نہیں کیا۔ ماہم نے پلیٹ نکال کر نوشین کی طرف بڑھائی اور چیز پیٹیز لیں پھر اس نے خود پلیٹ لے کر بڑا کا ٹکڑا اٹھا لیا۔ اس سب کے دوران نوشین بغور ماہم کی حرکات دیکھ رہی تھی۔ اس سے ماہم کو اندازہ ہوا کہ اس خاطر کا مقصد تواضع ہرگز نہیں بلکہ یہ انٹرویو کی ایک کڑی ہے۔

"میری بڑی بیٹی ماہین پری کیمبرج میں ہے۔ ذہن کی کافی تیز ہے بلکہ کچھ زیادہ ہی تیز ہے۔ اس کا خیال رکھنا پڑتا ہے کہ اپنی قابلیت صحیح جگہ استعمال کرے۔ پھر بیٹا ہے موحد جو کلاس فائیو میں ہے اور ایک بیٹا معاذ ہے جو ابھی پہلی کلاس میں ہے۔"

ماہم نے بڑا ختم کر کے پلیٹ رکھنا چاہی۔

"آپ پیٹیز بھی لو نا۔" نوشین نے اشارہ کیا۔

ماہم کو پیٹیز کھانے میں ہمیشہ کوفت ہوتی تھی۔ پف پیسٹری کے بے شمار بھورے پلیٹ میں گرتے تھے۔ مگر نوشین نے عقل مندی سے ساتھ چھری بھی رکھوائی تھی۔ کیوں کہ اکثر مہمان آدھا لینے کی خواہش ظاہر کرتے ہیں۔ ماہم نے چھری سے پیٹیز آدھا کیا پھر اس آدھے کے بھی دو ٹکڑے کرلیے تاکہ پلیٹ میں توڑتے وقت آواز نہ ہو پھر وہ ٹکڑے اپنی پلیٹ میں ڈال کر آرام سے بیٹھ گئی نوشین کی مسکراہٹ سے اندازہ ہو رہا تھا کہ ماہم نے ٹیسٹ پاس کرلیا ہے۔

"میرے علاوہ عالیہ بھابھی کے بچے بھی آپ کی ذمہ داری ہوں گے۔" اس طرح ماہم اپنا بوریا بستر لے کر اس گھر میں آگئی۔ جہاں رہائش اس کا حق تھا مگر ماہم کو احساس تھا کہ وہ بھی ایک وقتی پڑاؤ ہے۔ اس گردش کرتی دنیا میں شاید ہی اس کا کوئی مستقل ٹھکانہ ہو۔

"جو گاڑی صبح اعظم کو کالج چھوڑتی ہے وہی تمہیں کالج لے جائے گی۔ واپسی کے اوقات صبح ہی یک ڈرائیور سے طے کرلیا کرنا مگر دھیان رہے تمہاری مصروفیات تمہارے کام میں حائل نہ ہوں۔ بچوں کے کمرے گھر کے اسی حصے میں ہیں گھر کے باقی افراد کی ذاتیات کا خیال کرنا اپنی روٹین کو بچوں کی روٹین کے ساتھ ملالو تاکہ ٹیبل مینرز' زبان اور انداز کی بھی تربیت دے سکو۔ اس گھر میں سہولیات کی کمی نہیں اور گھر والوں کے دل میں وسعت بھی ہے مگر مجھے نتائج چاہئیں۔ خاص طور پر عالیہ بھابھی کے بیٹے سفیان کے معاملے میں۔ وہ ہمیشہ سے ہی کم گو ہے۔ اس کے لیے پہلے تین ٹیوٹرز رکھے جاچکے ہیں مگر وہ ان سے بھی بات نہیں کرتا تھا۔" نوشین نے دس منٹ مسلسل بولنے کے بعد سانس لیا اور موضوع بدلا۔

"کچن میں جا کر چیک کرلو پھر کر اتر تیب بنا بچوں سے شام کو مل لینا۔"

"جی میڈم۔" ماہم تیر کی طرح سیدھی کھڑی تھی۔

"تم مجھے آنٹی کہہ سکتی ہو۔" نوشین پہلی بار

مسکرائی۔

✿ ✿ ✿

پہلے دن ماہم پر واضح کر دیا گیا تھا کہ گھر کے کون سے حصے گھر کے افراد کے ذاتی استعمال کے ہیں، جہاں اس کا داخلہ قبول نہیں، پھر بھی حسب عادت ماہم نظر بچا کر پورے گھر کا معائنہ کر چکی تھی۔ دوسرے کی ذاتیات میں مداخلت نہ کرنے کا اس نے اب تک خاص خیال رکھا تھا۔ جس روز اس سے مداخلت سرزد ہوئی تھی' اس روز اسے حدود کے اندر خود بلوا لیا گیا تھا۔

ڈنر کے بعد اسے عالیہ نے اپنے کمرے میں بلوایا تھا۔ ملاقات کی وجہ بچوں کے اسکول میں ہونے والی پیرنٹس ٹیچر میٹنگ تھی' جس میں ماہم نہیں جاسکتی تھی۔ دستک دینے کی ضرورت نہیں پڑی۔ لوہ کھلے دروازے سے عالیہ نظر آرہی تھی جو صوفے پر سر جھکائے بیٹھی تھی۔

"آپ کو وہاں جانا چاہیے تھا۔" محتاط لہجے میں شکوہ کیا گیا تھا۔

"میں مصروف تھا۔" عادل کی سرد آواز ماہم کے کانوں میں پڑی۔

"مہینے بعد دو گھنٹے نکالنا اس قدر مشکل نہیں ہوتا۔" عالیہ کا شکوہ برقرار تھا۔

"تم جو چلی گئی تھیں۔" دوسری طرف سرد مہری میں کوئی کمی نہیں آئی تھی۔

"آپ ان کے باپ ہیں' آپ کا فرض بنتا ہے کہ آپ بھی جائیں۔" شکوہ بڑھ رہا تھا اور احتیاط کم ہوتی جارہی تھی۔

"اپنے فرائض مجھے معلوم ہیں۔ ملک کے بہترین اسکول میں پڑھ رہے ہیں۔ آسائشیں ان کے ہاتھوں کا میل ہے۔ فرائض کی فہرست نہ کھلواؤ' ورنہ حقوق کی لسٹ بھی کھل جائے گی۔" لہجے کی سردی اچانک آگ میں تبدیل ہونے لگی تھی۔

"میں آپ کو الزام نہیں دے رہی۔ مگر بچوں کو ہم دونوں کی ضرورت ہے۔ وہ بڑے ہو رہے ہیں۔ ان کی عادتیں کیا ہیں۔ دوست کون ہیں۔ آپ کو سب معلوم ہونا چاہیے۔" اب لہجے میں بے بس التجا تھی۔

"روزانہ پانچ گھنٹے کی نیند سو کر سب کی ذمہ داری اٹھانے کے بعد بھی ایسا لگتا ہے زندگی گروی رکھ دی ہو اور اس سب محنت کے بعد انسان یہی سننا چاہتا ہے کہ وہ کتنا لاپروا اور ناکارہ ہے۔" عالیہ بیگم نے سر پکڑ لیا۔

"میں صرف اتنا چاہتی ہوں کہ ہم ایک فیملی کی طرح رہیں۔ اپنی مصروفیت میں بچوں کا نقصان نہ کر بیٹھیں' ہم ایک کمرے میں ساتھ بھی بیٹھے ہوں تو سرنیہم کے سوا کچھ یکساں نہیں لگتا۔"

"پچھلے پانچ منٹ میں تم میری کوئی پچاس برائیاں گنوا چکی ہو۔ اس سے تم نے خود ثابت کر دیا کہ میرے ساتھ وقت گزارنے سے بچوں پر کوئی مثبت اثر نہیں پڑے گا۔" آواز دروازے کے نزدیک آرہی تھی۔

عادل نے بات ایسے گھمائی کہ عالیہ بھی سٹپٹا گئیں۔ ان کی ہر بحث ایسے ہی بھنور میں پھنس کر بہہ جاتی تھی۔

"میں مڈل کلاس ہاؤس وائف کی طرح بحث نہیں کرنا چاہتی۔ آئی ایم سوری۔ آپ جاننا چاہیں گے ٹیچرز نے کیا رپورٹ دی؟"

"میں تم پر بھروسا کرتا ہوں کہ تم سب سنبھال لوگی۔ تمہیں اس بات پر خوش ہونا چاہیے کہ میں تمہارے فیصلوں پر اعتراض نہیں کرتا اور نہ ہی مداخلت کرتا ہوں۔"

جملہ مکمل کرتے کرتے عادل دروازے کے سامنے آگیا اور ماہم پر نظر پڑی۔ ماہم گھبرا کر دو قدم پیچھے ہوئی۔ عادل کی غصیلی نظر سے ماہم کو خفت اور شرمندگی کا احساس ہوا تھا۔ عالیہ جلدی سے کمرے سے باہر آئی اور احتیاط سے دروازہ بند کر دیا۔

"آپ نے خود بلایا تھا۔" ماہم نے فوراً صفائی پیش کی۔

"ہاں۔ میں نے بلایا تھا۔" شرمندگی عالیہ کو بھی ہوئی تھی۔ اس نے خشک آنکھوں کو ہی رگڑ کر اوسان بحال کیے۔

"ہاں دراصل آج میٹنگ تھی بچوں کے اسکول میں' ٹیچرز سے ملاقات ہوئی۔" عالیہ اٹک اٹک کر کہہ رہی تھی۔

"رزلٹ پہلے سے بہتر ہے۔ سفیان کے ہوم ورک اور ٹیسٹ میں بہتری آئی ہے مگر ٹیچرز کو شکایت ہے کہ وہ کم صم رہتا ہے' کوشش کرو گھر میں بولنے کی گفتگو کرنے کی پریکٹس کراؤ۔"

"جی بہتر۔ میں کوئی موضوع دے دیا کروں گی کہ کم از کم دو تین جملے بولے وغیرہ۔"

"ہاں ٹھیک رہے گا ہمیں تھوڑی سی بہتری پر خوش ہونے میں وقت ضائع کرنے کے بجائے آگے بڑھنے کی کوشش کرنی پڑے گی۔"

"میں سمجھ رہی ہوں۔" ماہم کا ذہن اب تک پچھلی گفتگو دہرا رہا تھا۔ اگر اس کی کوئی ہم عمر ہوتی تو وہ آگے بڑھ کر غم بانٹتی' تسلی دیتی' مگر مسز عادل کے سلسلے میں وہ ہمت نہیں کر سکی اور یس میڈم کہہ کر پلٹ گئی۔

ماہم کے دل پر ماضی کی یادوں کی دستک ہونے لگی تھی۔ سوالوں تو تمام ہی تھی اس لیے جنگل کی گھاس کی طرح خود بڑھ گئی تھی۔ اس گھر کے بچے ماہم کو خود جیسے لگے۔ نہ چاہتے ہوئے بھی ٹھنڈک کی ایک لہر اس نے اپنے اندر اترتے محسوس کی۔

☆ ☆ ☆

خضر لائبریری میں کتابوں میں گھرا بیٹھا تھا۔ دور گلاس ڈور کے باہر ماہم زور زور سے ہاتھ ہلا رہی تھی۔ خضر کی کرسی ترچھی تھی اس لیے توجہ نہ گئی۔ ماہم ہمت کر کے لائبریری کے اندر داخل ہوئی۔

"کارڈ دکھائیں۔" چوڑے چہرے والی لائبریرین نے کہا۔

"کارڈ تو نہیں ہے۔" ماہم نے معصوم شکل بنائی۔

"کارڈ کے بغیر نہیں جا سکتیں۔" عورت نے بے زاری سے کہا۔

خضر فاصلے پر بیٹھا تھا' اس لیے آواز دینا مناسب نہ تھا۔ ماہم افسردہ ہو کر دروازے کی طرف چلی۔ آہستگی سے بیگ سے موبائل نکالا اور باقی بیگ زمین کی طرف پلٹ دیا۔ میڈیکل کی موٹی موٹی کتابیں دھڑ دھڑ کی آواز کے ساتھ ایک کے بعد ایک فرش پر گریں اور پرسکون فضا میں ہل چل مچ گئی۔ ہر شخص نے مڑ کر تماشا دیکھا۔

"کتنا شور کیوں کر رہی ہیں سب باہر جائیں۔" عورت غصیلے انداز میں چلائی۔ ماہم بے فکری سے کتابیں اٹھانے لگی تو خضر اس کی مدد کو آپہنچا۔

"موبائل کیوں آف تھا۔ میں کب سے رابطہ کرنے کی کوشش کر رہی ہوں۔" اس سے پہلے خضر تماشا بنانے پر اعتراض کرتا' ماہم نے گلہ کر ڈالا۔

"تم نے مجھے پھر بھی ڈھونڈ نکالا۔ زہے نصیب۔" خضر کی شرارت ہر ملاقات کے ساتھ بڑھتی جا رہی تھی۔ ماہم نے نظر ہٹا کر فوراً" بات بدلی۔

"یہ لائبریرین غیر شادی شدہ ہونے کے باعث اتنی جلی بھنی رہتی ہے یا ازدواجی زندگی کے مصائب نے خونخوار بنا دیا ہے؟"

"میں خواتین کے بارے میں زیادہ معلومات رکھنے کا عادی نہیں' تم اپنی سناؤ۔"

"بغاوت کرنا شروع کر دی ہے۔ جلد ہی فتح کے جھنڈے گاڑوں گی۔" وہ بات کرتے کرتے ایک بینچ پر بیٹھ گئے۔ جو درخت کے تنے کو درمیان سے آدھا کاٹ کر بنایا گیا تھا۔ ارد گرد کئی اسٹوڈنٹ گروپ بنا کر بیٹھے تھے۔ بے فکری کا یہ عالم دیکھ کر ماہم چند لمحے خیالوں میں کھو گئی۔

"کس سوچ میں پڑ گئی ہو۔" خضر نے اس کے خیالوں کا تسلسل توڑنے کے لیے چٹکی بجائی۔

"کچھ خاص نہیں۔ بس ایک بے چینی ساتھ نہیں چھوڑتی۔" خضر ہمیشہ خاموش ہو کر پوری توجہ سے اس کی بات سنتا تھا۔

"میں سمجھتی تھی' اس گھر میں جا کر مجھے میرے سوالوں کے جواب مل جائیں گے' لیکن جتنی کنفیوز میں ہو گئی ہوں' اس سے مجھے خوف آتا ہے۔ بنا سوچے سمجھے میں قدم اٹھا چکی تو احساس ہوا کہ میں کسی منزل کی طالب نہیں ہوں۔" ماہم اپنی زبان سے ادا ہوئے

الفاظ کا مطلب خود بھی نہیں سمجھ پا رہی تھی۔ اس نے سوالیہ نظروں سے خضر کو دیکھا جیسے اسے یقین ہو کہ وہ اسے سمجھا سکتا ہے۔

"جو چیز یک طرفہ محبت سے زیادہ تکلیف دہ ہے 'وہ یک طرفہ نفرت ہے۔ محبت کے غم میں کم از کم لذت تو ہوتی ہے۔ نفرت تو اس سے بھی محروم رکھتی ہے۔" خضر نے دبے لفظوں میں سمجھایا۔

"میرے نزدیک سب سے تکلیف دہ ادھوری معلومات ہے۔ یہ چبھتے سوالوں کی جلن دو گنی کر دیتی ہے۔"

"جو جانتی ہو وہ جان کر بے سکون ہو رہی ہو۔ اس بات کی کیا یقین دہانی ہے کہ مکمل حقائق جان کر تمہیں سکون مل جائے گا؟"

"ایسا لگتا ہے میں کچھ بھی نہیں جانتی۔ سانپ سیڑھی کے کھیل میں ہر دو قدم بعد ڈس لی جاتی ہوں اور پھر سے ابتدا پر آکھڑی ہوتی ہوں۔" ماہم کا انداز غصیلا ہوتا جا رہا تھا۔

"ایسا نہیں ہے سب سے بڑی حقیقت تم جانتی ہو۔"

"کیا۔" ماہم نے حیرت سے اسے دیکھا۔

"یہ کہ تم ان بچوں کی ٹیچر ہو۔ استاد شاگرد کا یہ مقدس رشتہ کسی بدلے کی بھینٹ نہیں چڑھنا چاہیے۔" خضر نے نرم لہجے میں سمجھایا۔

"تم جانتے ہو 'میں نے یہ جاب اس نیت سے نہیں کی۔" ماہم کی ضد ڈھیلی پڑ گئی۔

"لیکن بچے یہ نہیں جانتے۔ انہوں نے تم میں ہمیشہ اپنی ٹیچر ہی دیکھی ہے۔ اب اس تعلق کو رسوا مت کرو۔ سب کچھ بھول کر ایک بار صرف اس رشتے پر توجہ دو۔ ایک اچھی استاد بنو۔"

"تم اتنے اچھے کیسے ہو؟" ماہم کی نظر میں ستائش کے علاوہ کئی گہرے جذبات تھے۔

"اچھے لوگوں کی صحبت میں رہتا ہوں۔" خضر کو آنکھیں پڑھنا خوب آتا تھا۔ چند لمحوں کے لیے ماہم نے نظریں ہٹالیں اور گھاس کو دیکھنے لگی مگر خضر کی نظر اسی پر قائم تھی۔ وہ صحیح تو کہہ رہا تھا مگر کیا ماہم کے پاس اتنا ظرف تھا۔

"تم بہت قابل ہو تم آگے کیا کرنا چاہتے ہو۔" ماہم اس کی زندگی میں دلچسپی لینے لگی تھی۔

"میں بس اپنی تعلیم کا حق ادا کرنا چاہتا ہوں۔" اس نے ادھورا جواب دیا۔

"کامیابی بس دو قدم ہی دور ہے۔ ایک قدم یونیورسٹی سے بڑی سی ڈگری لے کر نکلو دوسرا ایک شاندار ایئر کنڈیشنڈ آفس میں ہوگا۔" خضر نے غور سے ماہم کو دیکھا اور تعین کیا کہ اسے اپنے خواب کا حصہ دار بنانا چاہیے یا نہیں۔

"کچھ غلط کہا؟" ماہم نے اس کی نظر کی تحریر پڑھی۔

"میں ایک ایسا ادارہ بنانا چاہتا ہوں جہاں ہنر بھی ایک مضمون کی طرح پڑھایا جائے۔ اس کی باقاعدہ کلاس ہو اور بچوں کی بنائی اشیا فروخت کرکے بچوں کی فیس کا خرچہ اور ان کا جیب خرچ بھی نکل آئے۔" خضر کی بات پر ماہم کے چہرے پر رونق آگئی۔

"میں نے پیسے اور پڑھائی میں بہت خواری دیکھی ہے۔ دونوں چیزیں یکجا کر کے ایک ہی چھت کے نیچے مہیا کرنا میرا خواب بن گیا ہے۔" خضر کے ارادے کی پختگی لہجے میں نمایاں تھی۔

"چمکتی گاڑی 'باوردی ملازم اور ٹھنڈا آفس بہت جاذبیت رکھتے ہیں۔ کہیں تمہیں تمہارا مقصد بھلانے پر مجبور نہ کر دیں۔"

"تعلق رشتے بھی بہت جاذبیت رکھتے ہیں۔ کہیں وہ مل جانے کے بعد تمہیں مجبور نہ کر دیں کہ مجھے بھلا دو۔" بے خیالی میں خضر کے منہ سے خدشہ نکلا۔

☼ ☼ ☼

اسکول سے واپسی پر وہ بچوں کو لے کر آئس کریم پارلر رک گئی۔ ہر بچے نے اپنی پسند کی آئس کریم کون میں ڈلوائی اور کھانے لگے۔ ذیشان نے اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد جدا بنانے کی روایت قائم رکھی اور ایک ٹیڑھا سا آرڈر دیا جس کی تیاری میں وقت درکار تھا۔

"آج آپ نے اسکول میں کچھ بولا؟" ماہم نے سفیان سے پوچھا۔

"میرے پیٹ میں ایک بکسا ہے جب بھی میں بولنا چاہتا ہوں وہ بکسا زور زور سے ہلتا ہے اور سارے لفظ اس میں پھنس جاتے ہیں۔" سفیان نے معصومیت سے صفائی دی۔

"معاذ میرے یونیفارم پر آئس کریم نہ گراؤ۔" ذیشان نے ڈانٹا۔

"غلطی ہو گئی۔" معاذ نے معذرت کی۔

غلطی سیکھنے کے عمل کا لازمی جزو ہے جو غلطی سے گھبراتا ہے وہ کبھی سیکھ نہیں پاتا۔ سفیان کا مسئلہ بھی ایسا ہی تھا۔ شکست کے ڈر سے کھیل سے ہی منہ موڑ لینا سب سے بڑی شکست تھی۔

"تو کیا ہوا۔ یہ لو میں نے بھی گرا دی۔" ماہم نے اپنے دامن پر آئس کریم کا چھینٹا گرا کر ایک نئے کھیل کا آغاز کر دیا۔ وہ سفیان کو سکھانا چاہتی تھی کہ ہر وقت اپنی کڑی جانچ نہیں کرنی چاہیے۔ گندا ہونا یا غلط ہونا زندگی کا حصہ ہے۔ اس کھیل میں ساروں کے ہی کپڑے مختلف آئس کریموں سے رنگین ہو گئے۔

ہنستے مسکراتے وہ گھر پہنچے تو نوشین ڈرا ہونے پر بے چین لاؤنج میں ٹہل رہی تھی۔ وہ پچھلے تین ہفتوں سے اپنے شوہر کے ساتھ دوسرے شہر گئی ہوئی تھی۔ اچانک پہنچ کر ماہم کو ایک کمزور لمحے میں پکڑا تھا۔

"نادرہ فوراً" ادھر آؤ۔" مالکن کی آواز پر نادرہ دوڑتی ہوئی آئی۔

"بچوں کے کپڑے بدلواؤ اور فوراً" دھو دو کہیں داغ نہ پکے ہو جائیں۔" وہ حکم نادرہ کو دے رہی تھی مگر اپنی شعلہ بار نظریں ماہم پر مرکوز کر رکھی تھیں۔ ماہم شرمندگی سے گڑی جا رہی تھی۔

"دراصل یہ سفیان کے علاج کے لیے اہم تھا۔" اس نے ہمت کر کے کہہ ہی ڈالا۔

"علاج؟ یہ شرمیلا ہے مگر خدانخواستہ بیمار نہیں ہے۔ یہ کس قسم کا طریقہ ہے۔"

"بیماری جسم کی نہیں ذہن کی بھی ہوتی ہے۔ تکلیف جسم کو ہو سکتی ہے تو ذہن بھی اس کے زیر اثر آسکتا ہے۔ سفیان ذہنی بیماری کا شکار ہے۔" ماہم اپنی عمر سے بڑا کام کرنے جا رہی تھی۔

"بیٹھو اور تفصیل سے بتاؤ۔"

"اس بیماری کو منتخب گونگا پن کہتے ہیں۔ بعض بچے کچھ جگہوں پر بالکل نارمل انداز میں کھیلتے اور بولتے ہیں جیسے گھر۔ مگر کچھ جگہوں پر لاکھ کوشش کے باوجود بول نہیں پاتے جیسے اسکول۔ یہ اسکول کے ابتدائی سالوں میں واضح ہو جاتی ہے مگر سفیان کو ہمیشہ ذیشان کا ساتھ میسر رہا' اس لیے اس کی اوٹ میں یہ بیماری پوشیدہ رہ گئی۔" ماہم اس پر تفصیل سے تحقیق کر چکی تھی۔

"یہ شدید دباؤ کے باعث ہوتا ہے۔ خوش قسمتی سے دماغ کا نقص نہیں اس لیے علاج ایک طرح سے ذہنی ایکسرسائز کا مجموعہ ہوتا ہے۔" ماہم نے عالیہ کو پریشان دیکھ کر مزید وضاحت کی۔

"اسے سائیکاٹرسٹ کو دکھاتے ہیں۔" عالیہ نے کہا۔

☼ ☼ ☼

"یہ غیر معمولی بیماری ہے اس لیے اکثر اس کو شرم' بے چینی یا ذہنی بھی سمجھا جاتا ہے۔ اس لیے کم از کم پورا ایک مہینہ اس کی علامات جاری رہنے پر ہی اس کی تصدیق ہوتی ہے۔" ڈاکٹر کے سر پر آدھے بال اور آنکھوں پر دگنا چشمہ موجود تھا۔

"اس کی وجہ کیا ہے؟" عالیہ نے سوال کیا جبکہ ماہم ساتھ والی کرسی پر خاموشی سے بیٹھی تھی۔

"تحقیقات بہت واضح نہیں ہیں۔ کئی وجوہات ہو سکتی ہیں۔ اکثر مائیں اوور پروٹیکٹو ہوتی ہیں جس سے بچے کی شخصیت کی مناسب نشو و نما نہیں ہو پاتی اور وہ ماں پر ضرورت سے زیادہ منحصر ہونے لگتا ہے۔"

"ہمارے معاملے میں ایسا نہیں۔ میں ایک ورکنگ وومن ہوں۔" عالیہ نے اس الزام سے خود کو بری کروایا۔

"بعض اوقات والدین میں سے کوئی ایزائٹی کا شکار ہوتا ہے۔ تب بھی بچے میں اثرات منتقل ہو جاتے ہیں۔ ایسا بھی ہوتا ہے کہ دماغ کا جو پرزہ انسان کو خطرے سے آگاہ کرتا ہے وہ زیادہ پرجوش ہوتا ہے۔ اس لیے ہر خطرے کو نمایاں کرکے دکھاتا ہے۔ اس سے بچہ فائٹ اور فلائٹ کا شکار ہو جاتا ہے اور وہ لڑنے مرنے کو ترجیح دیتا ہے۔ آپ کے بچے کو بولنے میں کوئی دشواری ہے؟" عالیہ ذہن پر زور دینے لگی۔

"R نہیں بول پاتا' اس کی جگہ L بولتا ہے' لیکن یہ بھی کبھار ہوتا ہے۔" ماہم نے اس بار پھر سبقت لی۔

"یعنی اگر وہ بولنا چاہے بھی تو زبان کی یہ کمزوری اس کو شرمندہ کردیتی ہے۔ اس لیے وہ یکسر بولنا ترک کردیتا ہے۔ ہوسکتا ہے' اسکول میں دوسرے بچے اس کا مذاق بھی اڑاتے ہوں۔" ڈاکٹر کی بات پر دونوں خواتین نے اثبات میں سر ہلایا۔

"ایک بار بیماری کی تصدیق ہو جائے تو فوراً" علاج کی طرف بڑھنا چاہیے۔ آخری سوال پوچھنا چاہتا ہوں۔ کیا بچپن میں سفیان نے پیچیدہ حالات دیکھے ہیں۔ کوئی معمولی صدمہ بھی چھوٹے بچے کے ذہن پر بڑا اثر چھوڑ جاتا ہے۔" ڈاکٹر کے ساتھ ماہم بھی منتظر نظروں سے عالیہ کو دیکھنے لگی۔

عالیہ نے اپنی گود میں رکھے اپنے دونوں ہاتھوں کو سختی سے بھینچا۔

"جاننا اس لیے بھی ضروری ہے کیوں کہ یقیناً" یہ خوف اب بھی اس کے اندر موجود ہے۔" ڈاکٹر کا پیشہ ہی خاموشی جانچنا تھا۔

"میرے شوہر اور مجھ میں کوئی قابل ذکر ذہنی ہم آہنگی نہیں تھی مگر ابتدا میں زندگی خوش گوار تھی۔ ہمارے رشتے میں واضح اختلافات سفیان کی پیدائش پر شروع ہو گئے۔ سفیان نے بچپن میں ہی ماں باپ کی تلخ کلامی دیکھی ہے۔"

"کیا تلخی کی وجہ سفیان خود تھا؟" ڈاکٹر نے کاغذ پر اہم نکات لکھے۔

"جی نہیں۔ میرے شوہر چاہتے تھے کہ میں کام کروں۔ ان کو گھر میں رہنے والی عورتیں پسند نہیں ہیں۔ میں نے کام شروع کیا' لیکن دوسرے بچے کی وجہ سے اسے روکنا پڑا۔ میرے شوہر کی اور میری اکثر تکرار ہوتی تھی۔ تب تک سفیان بولنے لگا تھا' میں نے سفیان کو تلقین کی تھی کہ وہ گھر کی باتیں باہر نہ کرے۔"

ڈاکٹر نے ہاتھ ہلا کر مزید بولنے سے منع کردیا۔ اس کو اپنے سوال کا جواب مل گیا تھا۔ یعنی یہ ماں کی تاکید تھی' جو اس بچے نے نادانستہ اپنی فطرت میں شامل کرلی تھی۔

کیس اسٹڈی مکمل کرنے کے ڈاکٹر نے سفیان کا تفصیلی معائنہ کیا۔

* * *

خضر لاہور واپس آیا تو ماہم سے ملنے فوراً" چلا آیا تھا۔ وہ سیالکوٹ سے ایک تحفہ لایا تھا' اس لیے ماہم سے ملنے میں تاخیر نہیں کرنا چاہتا تھا۔ گارڈ نے اسے لان میں بٹھایا اور اندر اطلاع دی۔ خضر کرسیوں کے گرد ٹہلنے لگا۔ تالیوں کا شور بلند ہوا تو خضر نے کھڑکی کے ادھ کھلے پردے سے کیک کٹنے کا محدود منظر دیکھا۔ عدنان شاہ کی شادی کی سالگرہ پر سفیان کے کلاس میں نظم سنانے کو سیلیبریٹ کیا جا رہا تھا۔ جس کا کریڈٹ بلا جھجک سب نے ماہم کو دے دیا تھا۔ ماہم کو سب سے پہلے کیک کھلایا گیا پھر ہاتھوں نے اپنی اپنی پلیٹیں تھامیں۔ عدنان صاحب نے بڑھ کر پیار دیا تو خضر کو لگا جیسے ماہم نے اپنی پہچان پالی ہو۔ ماہم کی دنیا مکمل ہو گئی تھی۔ اسے اب کسی خضر راہ کی ضرورت نہیں رہی تھی۔ خضر نے اپنی جیب میں ہاتھ ڈالا اور ایک ٹھنڈی سانس بھری۔

"ماہم بی بی! آپ سے کوئی ملنے آیا ہے۔" نادرہ نے اطلاع دی۔ ماہم خود وہاں سے جانا چاہتی تھی' اس لیے فوراً" باہر نکلی مگر وہاں کوئی موجود نہ تھا۔ لان خالی تھی۔ ماہم اندھیرے کو ٹٹول کر اپنے کمرے کی طرف چل دی۔

کمرے کا دروازہ کھلا تھا۔ بستر پر بیٹھے شخص کو دیکھ کر

ایک لمحے کے لیے ماہم کو کوفت ہوئی۔ کچھ دیر پہلے عالیہ ماہم کا شکریہ کرتے اشکبار ہوگئی تھی۔ لب ان کے مسکرانے کو تیار تھے۔ اپنے سے دوگنی عمر کے لوگوں کی دلجوئی کر کے وہ تھک گئی تھی۔ اس نے دروازہ کھٹکھٹا کر اپنے آنے کی اطلاع دی۔

عادل قیصر شاہ نے چونک کر سر اٹھایا اور اسے دیکھتے ہوئے میکانکی انداز میں کھڑا ہوگیا۔ ماہم نے کوفت سے دو قدم اندر بڑھائے اور عادل شاہ کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگی۔ اسے عادل شاہ کے اس طرح مسلسل دیکھنے سے کوفت ہو رہی تھی۔

"کوئی کام تھا آپ کو؟" ناچار ماہم کو ہی کہنا پڑا۔

"ہاں۔۔۔ وہ۔۔۔" عادل شاہ تھوڑا سا آگے بڑھا تو اس کے الفاظ کے ساتھ اس کے قدم بھی لڑکھڑا گئے۔

"ماہم۔۔۔ میری۔۔۔ تم۔۔۔" ماہم نے واضح طور پر اس کی آنکھیں بھیگتی دیکھیں اور پھر بالکل اچانک ہی عادل شاہ نے آگے بڑھ کر اسے سینے سے بھینچ لیا۔

"میری بچی۔۔۔ میری ماہم۔۔۔ میری اینش۔۔۔"

اور ماہم جو اس اچانک افتاد پر بوکھلا گئی تھی۔ عادل کی بات سن کر ایک لمحے کو جیسے ساکت سی ہوگئی۔ اس نے جھٹکے سے عادل شاہ کو پیچھے دھکیلا۔ برستی آنکھیں لرزتے ہونٹ۔ وقت نے آدمی کو کافی باوقار اور رعب دار بنا دیا تھا۔ آنکھوں کے گرد ہلکی ہلکی سلوٹیں اور سر میں اور موجود سفید بال اس کے چہرے کی جاذبیت کو مزید بڑھا رہے تھے۔ ماہم کے اندر ایک طوفان برپا ہوگیا۔ اس نے ڈریسنگ ٹیبل پر موجود ہر چیز فرش پر دے ماری۔ پرفیوم کی بوتلیں فرش پر گر کر کرچی کرچی ہوگئیں تو ذہن کو چکرا دینے والی تیز خوشبو پورے کمرے میں پھیل گئی۔ وہ شاعت سے موٹی موٹی سانسیں زمین پر ٹپکنے لگی۔ اس کے پاؤں میں کانچ چبھ رہے تھے۔

"بیٹا۔۔۔ خود کو تکلیف مت دو۔۔۔ تم۔۔۔ تم میری اذیت کا اندازہ نہیں لگا سکتیں۔"

"تو کیا آپ میری مشکلات کا اندازہ لگا سکتے ہیں؟" جواباً وہ زور سے چیخی۔

"مجھے بتایا گیا تھا کہ تم بھی کہ تم مرگئی تھیں۔۔۔ تمہاری کنڈیشن اچھی نہیں تھی۔۔۔ تم زندہ نہیں رہ سکیں۔" عادل نے اس کے ہاتھ پکڑ لیے۔ "میرا قصور صرف اتنا ہے کہ میں نے آنکھ بند کر کے اپنی ماں پر یقین کرلیا۔ شاید وہ جانتی تھیں کہ تمہاری موجودگی میں میں دوسری شادی کر کے تم پر سوتیلی ماں مسلط نہیں کروں گا۔"

"کاش۔۔۔ مری گئی ہوتی۔" وہ چیخ پڑی۔ اس کی سانسیں ناہموار ہو رہی تھیں۔

"ایسا نہ کہو۔۔۔ اب ایسا نہ کہو پلیز۔" عادل نے تڑپ کر کہا۔ ماہم نے زخمی نظروں سے اسے دیکھا۔

"غلط ہوا۔ بہت غلط ہوا مگر سوچو۔۔۔ اس طرح تم کئی مشکلات سے بچ گئیں۔۔۔ یہاں رہتیں تو پل پل اپنے وجود کی وضاحت کرنی پڑتی۔"

"وہ ایک ایک پل میں نے اپنے وجود کو تلاش کرنے میں اپنی پہچان کے تعاقب میں گزارا ہے۔۔۔ وقت تو پھر بھی مجھ پر مہربان نہیں رہا۔" وہ سسک اٹھی۔

"تم نے اپنی پہچان خود بنائی ہے۔۔۔ میرے زیر سایہ شاید یہ اتنی نہ نکھر پاتی۔" عادل رو پڑا۔ ماہم شکستہ نظروں سے اسے دیکھتی رہی۔ عادل کو اس کی نظروں میں اپنے لیے کوئی گنجائش کوئی رحم نہیں نظر آرہا تھا۔

"ایک بار میری بات سن لو۔" عادل نے التجائیہ کہا۔

"اب ایسا کیا کہہ سکتے ہیں آپ جو میری محرومیوں کا ازالہ کردے۔" ماہم نے طنزیہ انداز میں کہا۔

"تمہاری ماں کے بارے میں بتانا چاہتا ہوں۔"

"ماں؟" ماہم کو ایک اور اجنبی احساس نے گھیر لیا۔

☼ ☼ ☼

عادل نے آہستگی سے اینش کے چہرے سے بال ہٹائے۔ اینش گہری نیند سو رہی تھی۔

"صبح کی روشنی میں فوٹو گرافی اچھی ہوتی ہے۔"

عادل نے انفش کی کہی بات دہرائی۔
"تو تم پکڑو کیمرا اور تصویر کھینچو اس تاریخی دن کی' جب پہلی بار تم مجھ سے پہلے بیدار ہو گئے۔" انفش نے کروٹ بدل کر بند آنکھوں سے جواب دیا۔
"چلو انفو۔ آج صبح سی ویو پر نکلتے ہیں۔ پہلے کی طرح سارا دن باہر گزاریں گے۔"
"آج نہیں۔ جی بوجھل ہو رہا ہے۔" انفش نے سستی سے کہا۔
وہ اکثر چھٹی والے دن بنا پلان کے نکل کھڑے ہوتے تھے۔ ان کا بس ایک اصول تھا کہ انکار نہیں کرنا۔ پھر جب بھکاری پیسے مانگتا تو دینے پڑتے اور کوئی پوسٹر کسی فلم کی تشہیر کرتے ہوئے دیکھنے کو کہتا تو وہ بھی دیکھتے۔ پورا دن سیر سپاٹے کرتے تھے۔ مگر اب انفش کی لیڈ سٹر کی حس بھی اس کی طرح بے وقت اور بے وقت آ ٹھتی رہتی تھی۔
"ابھی بچے کی کیا جلدی تھی۔" عادل نے کوفت سے کہا۔
"ہاں ابھی تو تمہارے کھیلنے کودنے کے دن تھے۔" انفش نے چادر منہ پر ڈال لی۔ عادل نے رخ بدل کر اخبار اٹھا لیا۔
عادل نے انفش کی ضد کے آگے ہتھیار ڈال دیے تھے مگر دل سے قائل نہیں ہوا تھا اور بچے کا فیصلہ جلد بازی سمجھتا تھا۔ اس نے بحث پر مزید وقت ضائع نہیں کیا۔ جس طرح انفش کی حالت تھی' اسے پورا یقین تھا کہ وہ اپنا فیصلہ بدل دے گی۔ چند ہفتوں میں انفش کی طبیعت بہتر ہونے لگی تو وہ پھر سے پہلے والے معمولات پر آ گئی۔ کیمرا لے کر نکل کھڑے ہوتا اور شام ڈھلے گھر واپس آتا۔
"آدی! ہمارے بچے کا مذہب کیا ہو گا؟" انفش نے ایک شام سنجیدگی سے پوچھا۔
"ان فکروں میں مت پڑو۔ ابھی وقت نہیں ہے۔" عادل نے خود بھی یہ بات نہیں سوچی تھی۔ وہ انفش کی تجسس کی عادت سے واقف تھا۔ اس

نے ایک دوبار اینش کو کسی مذہبی کتاب کا مطالعہ کرتے بھی دیکھا۔ یقیناً" اس نے کوئی راہ سوچ لی تھی' جو دوبارہ یہ بحث نہیں چھیڑی۔

چند مہینے گزر گئے تو واپسی کی کوئی راہ نہ رہی اور عادل نے بھی آنے والی تبدیلی کو قبول کر لیا تھا۔

اور اس دن سے عادل ٹی وی دیکھتے ہوئے صوفے پر الٹا سو گیا تھا۔ اینش کیمرا لے آئی اور تصویر اتارنے لگی۔

"یہ میرے بابوں کی اتنی خوبصورت تصویر کیا کرنی ہے؟" عادل نے جھلا کر پوچھا۔

"بچے کا روم سیٹ کروں گی تو ایک دیوار آپ کی ہر طرح کی تصویروں سے بھردوں گی تاکہ جب آپ آفس جائیں تو وہ اداس نہ ہو۔" اینش ان دنوں چہکنے لگی تھی۔

"دوسری دیوار پر اگر تم اپنی تصویر لگانے کا سوچ رہی ہو تو میرا خیال ہے ایک ہی تصویر بہت ہوگی۔" عادل نے اس کے موٹاپے پر چوٹ کی۔

"میں اس سے دور کب جاؤں گی' سائے کی طرح چپکی رہوں گی۔ سامنے کی دیوار پر' جہاں سورج کی روشنی پڑتی ہے' وہاں میں طلوع آفتاب کی تصویر لگاؤں گی تاکہ صبح کی پہلی روشنی کے ساتھ یہ لگے جیسے سورج کمرے میں طلوع ہو رہا ہے۔" اینش نے اپنا پلان بتایا۔

اور اگلی صبح اس نے سورج سے پہلے اٹھ کر' اس سے پہلے جاگنے میں کامیاب ہو گئی تھی۔ وہ نائٹ سوٹ میں ہی چھت پر چلی گئی تھی' ٹرائی پوڈ سیٹ کر کے وہ سورج کے طلوع ہونے کا انتظار کرنے لگی۔ سورج کی پہلی جھلک سے پہلے ہی اینش نے تصاویر اتارنا شروع کر دی تھیں۔ ایک پرفیکٹ تصویر کے انتظار میں اس نے کئی رول صرف کر دیے۔ جب وہ اپنی کارکردگی سے مطمئن ہو گئی تو گنگناتے ہوئے کیمرا اور ٹرائی پوڈ سمیٹنے لگی۔ قسمت کو اس کی خوشی پر اعتراض نہیں تھا مگر وہ ایک حماقت کر بیٹھی تھی کہ اس نے سورج

کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھ لیا۔ اس نے ایک قدم پیچھے کیا تو ٹرائی پوڈ سے ٹکرا کر نیچے لڑھکنے لگی۔ ایک ذرا سی غلطی کی سزا میں وہ چھت سے زمین پر پٹخ دی گئی تھی۔

اسپتال پہنچنے تک بہت خون ضائع ہو چکا تھا۔ فوراً" آپریشن کر کے بچی کو زندہ نکال لیا گیا تھا مگر بچی میچور ہونے کی وجہ سے انکیوبیٹر میں رکھا گیا تھا۔ اینش کی حالت سنبھلنے کا انتظار ہو رہا تھا تاکہ اس کی ضروری سرجری ہو سکے۔ ڈاکٹر پریشان حال آئی سی یو کے پاس آتے اور مشکل الفاظ میں پیچیدہ ممکنات بیان کرتے رہے۔ وہ یونہی بے حال نرسری اور آئی سی یو کے درمیان ٹہلتا رہا مگر دونوں میں ہی قدم رکھنے کی ہمت نہیں کر پایا۔ اگلے روز اینش کی سرجری ہو رہی تھی تو عادل باہر بیٹھا اپنے باپ کو یاد کر رہا تھا۔ وہ اس کے لیے دوستوں سے بڑھ کر اور بہترین استاد تھے۔ وہ اکثر لمبی چھٹیوں پر جاتے۔ عادل بھی نوجوانی میں اکثر ان کے ساتھ جانے لگا تھا۔ وہ ان کے ساتھ جب یورپ کے ٹور پر تھا' تب ان کی موت ہوئی تھی۔ انجان شہر' انجان زبان نے عادل کے ہاتھ پاؤں پھلا دیے تھے۔ آج بھی وہ اسی طرح بوکھلایا ہوا تھا۔

"آئی ایم سوری۔ وہ دوران سرجری ہی چل بسیں۔" ڈاکٹر نے کچھ جانی پہچانی بات کی تھی۔

"مجھے رشتے کیوں راس نہیں آتے۔" عادل نے اپنے دل سے سوال کیا۔ جس سے محبت کا رشتہ قائم کرتا ہوں' وہ چند قدموں بعد ہی کیوں منہ موڑ جاتا ہے۔ اس نے باپ کے جنازے کو کندھا دیا تھا تو تکلیف سے تڑپ کر سوچا تھا اب دل نہیں لگائے گا مگر پھر ہار بیٹھا۔ اب وہ کہاں سے اینش کو مٹی میں دفنانے کی ہمت لاتا۔ وہ خود کو قصوروار سمجھنے لگا۔ خنت ملامت کرنے لگا جیسے اس میں کوئی خاص نقص ہو۔ جس کو چھوتا ہے مٹی کر دیتا ہے۔ وہ اسپتال میں تھا اور کسی کے پاس اس کے مرض کا علاج نہیں تھا۔

وہ اینش کے پاس گیا تو موت نے اس کا سانولا چہرہ

سفید کردیا تھا۔ عادل کو اسے بے سدھ اور سرد دیکھنے کی عادت نہیں تھی۔ اس نے اس سے باتیں شروع کردیں۔ وعدے یاد دلائے، اکسایا کہ کاش وہ بول پڑے۔ مگر ایسا کچھ نہ ہوا تو وہ خود بھی ٹوٹ گیا۔ وہ بچی کو اینش کی موت کا قصوروار نہیں سمجھتا تھا۔ مگر اس میں اپنانے تیسری بار داؤ پر لگانے کی ہمت نہ تھی۔ اس کو لگا کہ وہ بچی سے دور ہی رہے تو بہتر ہے۔ وہ اپنی نحوست سے اس ننھے وجود کو بچانا چاہتا تھا۔ اس نے ماہم کو دور سے دیکھا تو نیوں میں جکڑی بلکتی ہوئی نحیف سی ماہم سے اسے خوف آیا تھا۔ وہ خود کو اس قابل نہیں سمجھتا تھا کہ ایک نیا رشتہ جوڑ سکے اس لیے پلٹ آیا۔ بچی کی ذمہ داری اپنی ماں کو دے کر وہ کچھ سالوں کے لیے باہر چلا گیا۔ پھر رونق جہاں کے انتقال کے بعد واپس آیا۔ چھوٹے بھائی کے بھی بچے ہو چکے تھے۔ جس کی شادی رونق جہاں نے آری کے گھر چھوڑنے کے بعد نوشین سے کروی تھی۔ اس کا کارڈ اسے اپنی سالگرہ کے دن موصول ہوا تھا۔

عالیہ کا انتخاب نوشین نے کیا تھا۔ وہ بہت امیر نہیں تھی مگر کھاتے پیتے گھر کی پڑھی لکھی اور سلجھی ہوئی لڑکی تھی۔ ابتدا میں عادل مطمئن تھا مگر جلد ہی عالیہ کے ساتھ نے اسے بے چین کردیا۔ وہ عالیہ میں اینش تلاش کرتا رہتا تھا۔ اس نے عالیہ کو گھریلو عادات پر ٹوکنا شروع کردیا۔ نتیجتاً عالیہ نے گھر سے باہر قدم نکال لیے۔ پھر وہ اینش تو نہ بن سکی مگر عالیہ بھی نہیں رہی اور دونوں کے رشتے میں مزید کھچاؤ آنے لگا۔

اس دن اسکول کی میٹنگ سے آکر بہت عرصے بعد دونوں میں تکرار ہوئی۔ عادل جان چھڑانے کے انداز میں بات گھما رہا تھا تو اسے احساس ہوا کمرے کا دروازہ کھلا رہ گیا تھا۔ اس نے بڑھ کر دروازہ بند کرنا چاہا تو کھڑے کھڑے ہی جم گیا۔ باہر بوکھلائی ہوئی اینش کھڑی تھی۔ اینش کی صورت ویسے ہی اس کی آنکھوں کے سامنے گزرتی رہتی تھی مگر اتنی واضح بھی نہ تھی۔ عادل نے غور کیا، وہ اینش سے بہت مختلف تھی۔ اس کا جسم اینش جیسا بے حد دبلا نہیں تھا اور اس کا رنگ سفید تھا۔ اس وقت عالیہ نے بڑھ کر دروازہ بند کرلیا اور عادل سکتے کی حالت میں کھڑا رہ گیا۔ ماہم۔۔۔ اینش کا ہی دوسرا روپ تھی۔ ماہم کو دیکھ کر اینش کی یاد شدت پکڑنے لگی تھی اور وہ دھیرے دھیرے اپنے خول سے نکلنے لگا۔ فرق اتنا تھا کہ ماہم کی موجودگی سے اب اینش کی یاد کی چبھن ختم ہو رہی تھی۔ اب وہ اسے ایک تر و تازہ ہوا کے جھونکے کی مانند یاد آتی۔ اس کا خیال سلگا دینے والی آگ سے بدل کر ایک روشنی پھیلانے والے چراغ کا روپ اختیار کرگئی تھی۔ اس لیے عالیہ اور بچوں کا ساتھ بھی بھلا لگنے لگا تھا۔ اس رشتے کی مضبوطی کو ابھی دیر نہیں ہوئی تھی اس نے بچوں کو آئس کریم کھلانے کی ہامی بھری اور راستے میں جب حاجی صاحب کے گھر ماہم کو ڈراپ کیا تو سب حقیقت آشکار ہوگئی۔

شرمندگی نے اسے ہر طرف سے گھیر لیا۔ وہ یہ کیا کر بیٹھا تھا۔ چند فون کالز کیں، ریکارڈ چیک کیا، ماہم کے سرٹیفکیٹ دیکھے تو چند گھنٹوں میں ثابت ہوگیا کہ ماہم اسی کا خون ہے۔ اینش کا خیال اسے شرمندہ کرنے لگا تھا۔ وہ اس کی امانت کی حفاظت نہ کرسکا تھا اور دوسروں کے سپرد کردیا تھا۔ اس کا وقتی کتارہ اس نے اپنا

آپ تبدیل کرکے کیا۔ وہ گھر میں وقت دینے لگا تھا۔ سفیان کی حالت میں سدھار لانے کی کوشش کرنے لگا تھا۔ عالیہ کو دل سے سپورٹ کر رہا تھا کہ اپنی این جی او کی مصروفیات ترک کرکے گھر کی طرف توجہ دے۔ ساتھ ساتھ وہ ہمت جمع کر رہا تھا کہ ماہم کو حقیقت بتا سکے۔ اس نے عدنان بھائی سے بات کرلی تھی۔ وہ ماہم کو تحفظ دیں گے۔ اس گھر میں اسے بیٹی جیسی رحمت بن کر آنا تھا۔ اب وہاں اس گھر کی عزت بن کر رہے گی نعمان کی بیوی کی حیثیت سے۔

☼ ☼ ☼

"میں جانتی تھی کہ آپ کی ایک پہلی بیوی بھی تھی اور نہ چاہتے ہوئے بھی میں نے اس کے وجود کو ہمیشہ اپنے درمیان محسوس کیا ہے۔ مجھے اس پر ایک ہی سبقت حاصل تھی کہ میں آپ کے بچوں کی ماں ہوں مگر وہ اس میں بھی مجھ سے بازی لے گئی۔" عالیہ نے چہرہ اپنے ہاتھوں میں چھپالیا۔

عادل آہستگی سے اس کے پاس آبیٹھا اور اس کے کندھے پر بازو رکھ دیا۔ عالیہ نے اپنا سر عادل کے کندھے پر ٹکا دیا۔ پہلے کبھی عادل نے اسے یوں تسلی نہیں دی تھی۔ عالیہ کے خدشے سمٹنے لگے۔ اس نے آنسو پونچھ کر دیکھا تو احساس ہوا کہ عادل کی گردن معمول سے زیادہ جھکی ہوئی تھی۔

"وہ آپ کو معاف کردے گی۔ ہم اسے مل کر منائیں گے۔" عالیہ نے اس کے دل کا حال پڑھا۔

"تم میرا ساتھ دو گی؟" عادل نے پہلی بار اس سے اس کا ساتھ مانگا تھا۔ وہ خوشی سے سرشار کیسے نہ ہوتی۔

☼ ☼ ☼

صبح اٹھی تو گھر میں طوفان کے بعد کی خاموشی تھی۔ رات جب ماہم پر انکشاف ہو رہے تھے تو باہر باقی گھر والوں پر بھی حیرت انگیز معلومات کی بوچھاڑ ہو رہی تھی۔ سب نے اپنے اپنے ذہن کے مطابق معاملے کو کچھ نہ کچھ سمجھ لیا تھا۔ عدنان، شاہد اور سلمٰی بیگم تو تمام حقیقت سے بہت پہلے سے واقف تھے۔ اب تک مصلحت کی بنا پر خاموش تھے۔ باقی گھر والوں نے بھی ماہم کی حقیقت کو قبول کرلیا تھا۔ سب نے اپنے انداز میں ماہم کو احساس دلایا کہ وہ خوش ہیں کہ ماہم اس گھر کا حقیقی فرد ہے۔ ناشتے کے بعد عدنان نے اسے اپنے آفس اسٹڈی میں بلایا جو رونق جہاں سے انہیں وراثت میں ملا تھا۔ گھر کا سربراہ ہونے کے ناتے ان کا فرض تھا کہ اس تبدیلی کو قبول کریں اور ماہم کو سہارا دے کر اس کی منزل تک لے جائیں۔

"ہماری تربیت میں شامل ہی نہیں تھا کہ ماں سے بحث کی جائے اور سوال پوچھنے کے حق سے ہم خود دستبردار ہوگئے۔ مجھے یہی بتایا گیا تھا کہ اس حادثے میں بچی بھی نہیں بچ سکی مگر میری لاعلمی اس گناہ کی صفائی نہیں جس میں میرا بھی قصور ہے۔" ماہم نے خاموشی سے سر جھکا کر ان کی معذرت سنی۔

"اگر بڑے خطا کرکے خود کو چھوٹا ثابت کردیں تو چھوٹوں کو چاہیے کہ بڑاپن دکھا کر انہیں معاف کردیں۔ تم تو ہمارا رشتہ ظاہر ہونے سے پہلے ہی اس گھر کا فرد بن چکی ہو۔ اب میری التجا ہے کہ خود کو کبھی اجنبی نہ سمجھنا۔ تمہارا حق اور ہمارے فرائض ابھی بہت زیادہ ہیں۔ ہمیں غیر سمجھ کر تکلیف نہ دینا۔" انہوں نے شفقت سے اس کا سر سہلایا اور اسے باقاعدہ اس گھر کا فرد تسلیم کیا۔

ماہم سرہلا کر ہلکا سا مسکرائی اور لاؤنج کی طرف چل دی۔ ایک بوجھل پن اب بھی اس کے ساتھ تھا۔ مسافت کی تھکن اتنی زیادہ تھی کہ منزل پانے کی راحت ابھی تک محسوس نہیں کرپائی تھی۔

"بی بی جی! آپ کا خط آیا ہے۔" نادرہ نے ایک بیرنگ لفافہ ماہم کو تھمایا جس پر اس کے نام کے سوا کچھ درج نہیں تھا۔ گویا لکھنے والا خود دروازے پر چھوڑ گیا تھا۔ اس نے خط کھولا۔

"ماہم!

پچھلی ملاقات کے بعد میں روز یہی سوچتا تھا کہ اب ملو گی تو کن الفاظ میں تمہیں اپنے جذبات کے بارے

میں بتاؤں گا۔ میری تڑپ اتنی بڑھی کہ پچھلی رات ہر مصلحت اور لحاظ بھلا کر تم سے ملنے چلا آیا۔ تمہیں یا دیکھا تو بچپن میں سنی شہزادیوں کی کہانی سچ لگنے لگی۔ تم محلوں کی شہزادی لگتی تھیں جو کچھ عرصے کے لیے بھٹک گئی تھیں۔ تمہیں تمہاری منزل پر دیکھ کر میں دل سے بہت خوش اور مطمئن ہوں۔ اپنے احساسات کو لفظوں میں ڈھال کر تمہیں مشکل میں نہیں ڈالنا چاہتا۔

میرا ساتھ دینا بہت دشوار ہو گا۔ تم میرے ارادوں سے واقف ہو اور یہ بھی جانتی ہو کہ اس کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لیے مجھے اپنی راہوں سے پل پل کانٹے چننے ہوں گے۔ میں تمہارے ساتھ کی خواہش کر کے تمہیں منزل پا لینے کے بعد پھر سے سفر کی اذیت سے دوچار نہیں کرنا چاہتا۔ اس لیے خود ہی تمہاری راہ سے ہٹ رہا ہوں۔ جب بھی کبھی راستے میں اندھیرا محسوس ہو تو اس خضر کو یاد کر لینا' جو کبھی زندگی کی مسافت میں دو قدم تمہارے ساتھ چلا تھا۔

دعا گو خضر"

ماہم مزید بوجھل ہو گئی۔ علیہ اور عادل ماہم کے پاس آئے۔ علیہ تو آتے ہی اس سے لپٹ گئی۔ وہ ماہم کو ناپسند کیسے کر سکتی تھی۔ جس نے چند دن میں اس کی سانوں سے الجھی زندگی سنوار دی تھی۔ اس کے لیے تو اعزاز تھا کہ سوتیلی ہی سہی وہ ماہم کی ماں تو ہے۔

"ہم دونوں قدم بڑھائیں گے تو رفتہ رفتہ اپنے بیچ کی یہ دوریاں پار کر لیں گے۔" عادل نے تحفظ بھرا ہاتھ ماہم کے کندھے پر رکھا۔

"میری کوشش ہو گی کہ تمہارے ہر ایک قدم کے جواب میں میں دس قدم دوڑ کر تم تک پہنچوں۔ ہماری زندگیوں نے میرے فیصلے کی بدولت کیا کچھ کھویا ہے۔ ہم یہ تب تک نہیں جان سکیں گے' جب تک دل سے اس رشتے کے ہر تقاضے کو نہیں نبھائیں گے۔ پھر بھی تمہیں اختیار ہے' چاہے تو مجھے سزا سنا دو۔"

"میرا ہر فیصلہ اب تک میرے ہاتھ میں تھا مگر اب میں آپ کو ایک اختیار دینا چاہتی ہوں۔" ماہم نے کہا۔

"کیا؟"

☼ ☼ ☼

خضر کیمپس کے ایک ویران سے حصے میں تو نیچی زمین پر بیٹھا تھا' جب ماہم اسے ڈھونڈتے ہوئے پہنچی۔ خضر اسے دیکھ کر کھڑا ہو گیا۔ قدم بڑھاتے ہوئے ماہم کو ٹھوکر لگی۔ اسے گرنے سے بچانے کے لیے خضر نے بڑھ کر اسے تھام لیا۔ ماہم خضر کے کار کا سہارا لے کر سنبھل گئی اور وہیں زمین پر بیٹھ گئی۔

"سب کو حقیقت پتا لگ گئی؟" خضر نے ماہم کے چہرے سے اندازہ لگایا۔ ماہم نے اثبات میں سر ہلایا اور عادل شاہ کے انکشافات کا خلاصہ کیا۔

"پر ابھی وقت لگے گا۔" ماہم نے گم صم انداز میں کہا۔

"تم نے اپنے فادر کو معاف کر دیا؟" خضر نے ٹیڑھا سوال کیا۔

"معاف؟" ماہم نے اپنے اندر ٹٹولا۔ "سب کچھ ایسے ہی ہونا تھا اور ایسے ہی ہونا چاہیے تھا۔ میں زندگی سے چاہ کر بھی شکوہ نہیں کر پا رہی۔ کس بات کا گلہ کروں۔ سفر کریں' سفر بار تھا جیسے مخلص لوگوں کو جاننے کا یا شیریں' ہادیہ' زینب جیسی سہیلیوں کا؟"

ماہم کی آنکھوں کے سامنے کئی چہرے آئے۔

"مشکلات تھیں... بہت زیادہ تھیں۔ مگر وہ کس کی زندگی میں نہیں ہوتیں۔ اگر میں اسی گھر میں رہ کر پرورش پاتی تو ہر لمحہ اپنے وجود کو منوانے کی جنگ ہوتی' پھر بھی شاید ہی اتنی خود اعتماد ہوتی۔ قسمت نے مجھ سے لاجواب جدوجہد لے کر ایسے وقت میں اس گھر بھیجا' جب اس کے مکین مجھے اپنانے کی آرزو میں کچھ بھی کرنے کو تیار ہیں۔"

خضر نے مسکرا کر ماہم کو دیکھا' جو چند مہینوں میں کتنی بدل گئی تھی۔ اب اکڑ تفاخر ضد ان کی جگہ سلجھاؤ اور شکر گزاری آ گئی تھی۔

"اب بولنے کی باری تمہاری ہے۔" ماہم نے کہا۔

"کیا کہوں؟"

"وہی جو خط میں نہیں لکھا تھا۔" ناہم نے ہمت کر کے کہا۔

"نہ لکھنے کی وجہ درج تھی۔" خضر نے نظریں چرالیں۔

"میں محلوں کی شہزادی نہیں ہوں خضر! میں پھول کے پاس مٹی میں مسکن بنانا چاہتی ہوں۔" ناہم نے کہا۔

"خواہش تو ہے کہ تمہارے لیے محل کھڑا کرسکوں' مگر میں جانتا ہوں مجھ سے یہ نہیں ہوگا۔ سکت رکھتا بھی تو میں ایک محل پر سو اسکولوں کو ترجیح دوں گا۔ میں تعلیم کا مقروض ہوں مجھے اس کا حق ادا کرنے سے نہ روکو۔" خضر جانتا تھا' وہ ناہم کی بات رد نہیں کر پائے گا۔

"مجھے تمہارے ارادے کی بہت قدر ہے۔ میں اس میں تمہارا ساتھ دینا چاہتی ہوں۔"

"اتنے سال سفر کر کے تم نے اب جا کر ایک مستقل ٹھکانہ پایا ہے۔ میرا ساتھ تمہیں پھر سے بھٹکا کر سفر میں مبتلا کرے گا۔ چھوٹے چھوٹے گاؤں میں سہولیات سے عاری زندگی گزار کر ہی یہاں وسائل کی بنیاد رکھنا ممکن ہوگا۔ جذباتی ہو کر فیصلہ مت کرو۔"

ناہم تڑپ اٹھی۔

"مجھے مستقل ٹھکانہ نہیں چاہیے۔ سچ ہے جو بوجھل پن میں محسوس کررہی ہوں وہ اسی بات کی ہی نشاندہی کررہا ہے کہ میری زندگی میں کمی کسی مستقل ٹھکانے کی نہیں تھی۔ وہ ایک مستقل ہم سفر کی تھی۔ جو دکھ سکھ میں میرے ہم راہ رہے۔ جس کو پریشانی میں آواز دے سکوں اور سکھ میں خوشیاں بانٹ سکوں۔ سفر کی تو ویسے بھی مجھے عادت ہو گئی ہے۔ لگتا ہے ٹھہر گئی تو ختم ہو جاؤں گی۔ ہر انسان جب تک زندہ ہے سفر میں مبتلا رہتا ہے۔ اکثر اونچائی کی سمت سفر کرتے ہیں۔ جس میں تھکاوٹ زیادہ ہوتی ہے اور منہ کے بل گرنے کا خطرہ رہتا ہے۔ میں سامنے کی طرف سفر کو ترجیح دیتی ہوں' جس میں اپنا راستہ بناتے ہوئے دوسروں کے لیے بھی راہیں کھول سکوں۔ ہم ساتھ مل کر خدمت خلق میں اپنی ایسی چھاپ چھوڑیں گے جس کی بازگشت رہتی دنیا تک سنائی دے گی۔"

خضر نے فخر سے اس معصوم لڑکی کو دیکھا جو غالباً اس کے سالوں کے صبر کا انعام تھی۔

"اب تم کہو' جو کہنا تھا۔" ناہم نے ایک بار پھر تقاضا کیا۔

"میں نے امی سے تمہارا ذکر کیا تھا۔"

"پھر" ناہم ڈر سی گئی۔

"انہوں نے تمہارے لیے تحفہ بھیجا تھا۔" خضر نے اپنی جیب میں ہاتھ ڈالا۔ جیب ایک بار پھر خالی تھی۔ وہ گھبرا کر اٹھ کھڑا ہوا اور اپنی جیبیں ٹٹولنے لگا۔

"میرے پاس ہے۔" ناہم نے اپنی مٹھی کھولی۔ اس کی ہتھیلی پر انگوٹھی پڑی تھی' جو اس نے سہارا دے کر اٹھتے ہوئے اس کی فرنٹ پاکٹ سے نکال لی تھی۔

"یہ امی کی سب سے پسندیدہ انگوٹھی ہے' جو ان کی نانی نے ان کو دی تھی۔"

ناہم کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ کیا وہ اتنی خوش قسمت ہو سکتی تھی۔ سالوں پہلے ایک باپ نے اسے بنا دیکھے ٹھکرا دیا تھا اور آج ایک ماں نے صرف اس کا نام سن کر اپنی سب سے قیمتی چیز اس کے حوالے کر دی تھی۔

"یہ میں اپنے گھر والوں کے سامنے پہنوں گی۔ میں نے بھی پاپا کو تمہارے بارے میں بتا دیا ہے۔" ناہم کے منہ سے لفظ پاپا نکلنا خوش آئند تھا۔ خضر نے انگوٹھی لا انتا" دوبارہ پکڑلی۔

"ویسے بھی تمہارا ایک ہارورن اریاز کا ٹرپ مجھ پر ادھار ہے۔" ناہم نے مسکرا کر کہا۔

"وہاں جا کر تمہیں بتاؤں گا۔ جو میں نے خط میں لکھنے سے معذرت کرلی تھی۔" خضر نے شرارت سے کہا اور دونوں ساتھ ساتھ چلنے لگے۔